نصرۃ میگزین

شوال-ذی القعدہ 1443ھ | مئی–جون 2022ء

شمارہ-66

روس کا یوکرین پر حملہ

1973 کا آئین اور اس سے پھوٹنے والا نظام کفریہ اور سیکولر ہے

نوید بٹ آپ کے لیے خوشخبری: صبر کا دامن نہ چھوڑیے گا کہ خلافت کا وقت آچکا ہے

انجینئر نوید بٹ

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان

نوید بٹ کو 11 مئی 2012 کے دن سیکورٹی اہلکاروں نے نوید کے پڑوسیوں اور اہلِ خانہ کے سامنے اغوا کیا

فہرست

اداریہ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(226-227) 5

سنتِ نبوی ﷺ وحی ہے اور قرآن کی وضاحت کرتی ہے 9

تقلید 25

1973 کا آئین اور اس سے پھوٹنے والا نظام کفریہ اور سیکولر ہے 35

کفار سے مبارک بادوں کے تبادلے کا جواز آخر کب ختم ہوگا؟! 46

اخلاقیات کے بعد کیا ہے؟ 52

نویدبٹ آپ کے لیے خوشخبری: صبر کا دامن نہ چھوڑیے گا کہ خلافت کا وقت آچکا ہے 60

اس اُمت کی مشکلات اور ذلت کے خاتمے کے لیے جمہوریت کو مٹا کر خلافت قائم کرو! 66

صلاح الدین اور خلافت 71

سوال وجواب: روس کا یوکرین پر حملہ، اس کے محرکات اور ممکنہ اثرات 80

سوال وجواب اس حدیث "ہر دور کے بعد آنے والا دور بد تر ہوگا" اور خلافت کی واپسی والی حدیث میں ٹکراؤ کا شبہہ 94

سوال وجواب: جسے مکمل کرنا ممکن نہ ہو اس کے آسان حصے کو ترک نہیں کیا جاسکتا 100

میڈیا سرگرمیاں 111

اداریہ

پاکستان اپنے بار بار اٹھنے والے بحرانوں کی دلدل سے کبھی باہر نہیں نکل سکتا، اگر یہ اپنے آپ کو انہی دو روایتی نظاموں یعنی پارلیمانی جمہوریت اور صدراتی جمہوریت تک ہی محدود رکھے۔ یہ تنگ نظر بحث صرف موجودہ سیاسی وفوجی قیادت کو ہی فائدہ پہنچاتی ہے۔ اگر مسلمان جمہوریت سے منہ موڑ کر اسلامی ریاستِ خلافت کے لئے تگ ودو نہیں کرتے، تو ان کیلئے آنے والے مستقبل میں مزید بحرانوں کے سوا کچھ نہیں۔

سیاسی قیادت پارلیمانی جمہوریت کو ترجیح دیتی ہے جس کی یقین دہانی، بھٹو کے 1973 کے آئین میں بھی ہے، کیونکہ یہ منتخب نمائندوں کو اس کا زیادہ اختیار دیتی ہے کہ وہ قانون میں ردوبدل کر کے اسے اپنے فائدے کیلئے استعمال کر سکیں۔ فوجی قیادت، صدارتی جمہوریت کو ترجیح دیتی ہے، جیسا کہ پہلے جنرل ایوب نے اور حال ہی میں جنرل مشرف نے اسے اپنایا تھا، کیونکہ یہ فوجی قیادت کو قانون سازی پر مضبوط کنٹرول دیتی ہے۔

تاہم صدارتی جمہوریت اور پارلیمانی جمہوریت، دونوں ہی مسائل کی جڑ ہیں۔ یہ دونوں ہی، صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نازل کردہ وحی کو قانون سازی کا ماخذ بنانے کی تردید کرتے ہیں، یعنی کہ ہر قانون کی بنیاد صرف قرآنِ پاک اور رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہونی چاہئے۔ یہ دونوں، پاکستان پر ایسے قوانین کا بوجھ ڈالتے ہیں جو اپنی محدود سوچ اور بے انتہا حرص پر مبنی انسانوں کی خواہشات اور پسند وناپسند پر بنائے گئے ہیں۔ یہ دونوں ہی، کرپٹ حکمرانوں اور ان کے مغربی آقاؤں کی خواہشات کی تکمیل کے لئے پاکستان کے قوانین کو مزید ردّوبدل کے لئے کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

حزب التحریر وہ واحد قیادت ہے جو ان مسائل سے نجات کا حل دیتی ہے۔ صرف حزب التحریر نے ہی، 191 دفعات پر مشتمل ایک دستور تیار کر رکھا ہے جو کہ قرآنِ پاک، سنتِ مبارکہ اور صحابہ کرام کے اجماع سے اخذ کردہ دلائل سے ان نکات کو واضح کرتا ہے۔ حزب التحریر نے مراکش سے انڈونیشیا تک عالمی سطح پر اپنے سیاستدانوں کی ایک

قابل جماعت تیار کر رکھی ہے جو ریاستِ خلافت کو چلانے اور خلیفہ کا احتساب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور حزب التحریر نے اپنے خلاف بدترین ظلم و تشدد کے باوجود، جس میں پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان، انجینئر نوید بٹ کا دس سال پہلے 11 مئی 2012 کا اغوا بھی شامل ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مدد سے خلافت کے اس منصوبے پر سنگِ میل عبور کئے ہیں۔

چنانچہ جو کوئی بھی دین سے مخلص ہو اور مسلمانوں کے لئے نجات چاہتا ہو، اسے حزب التحریر کے علاوہ کسی اور طرف نہیں دیکھنا چاہئے۔

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(226-227)

جلیل قدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۔ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

"جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں (یعنی ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں) ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔ چنانچہ اگر وہ (قسم توڑ کر) رُجوع کرلیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ اور اگر اُنہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو (بھی) اللہ سننے جاننے والا ہے"۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان دو آیاتِ کریمہ میں ایک اور حکم شرعی بیان فرماتے ہیں، اور یہ بھی اسی مضمون کے سیاق میں ہے جو ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا تھا، وہ حکم یہ ہے کہ چار مہینے سے زیادہ عورت سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم اٹھانا ایلاء کہلاتا ہے، اور یہ قسم ان دیگر قسموں سے مختلف ہے جو سابقہ آیت کی تفسیر میں ہم نے ذکر کیں۔ سو یہاں یا تو اس طرح قسم اٹھائے گا کہ وہ اپنی عورت سے چار مہینے جماع یا ہمبستری نہیں کرے گا، یا اس سے کم یا اس سے زیادہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ:

پہلا: اگر قسم چار مہینے یا اس سے کم مدت تک جماع نہ کرنے کی ہو تو اس کو ایلاء نہیں کہتے، بلکہ اس حالت میں یہ عام قسموں کی طرح ایک قسم ہے، جتنی مدت کی قسم کھائی ہے، وہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر وہ اپنی بیوی سے جماع کرکے اس قسم کو توڑ دے تو گویا اس نے قسم پوری نہیں کی، اس صورت میں وہ قسم کا کفارہ دے گا۔ اگر چار مہینے سے کم مدت جس کی اس نے قسم اٹھائی تھی، اس میں اس نے ہمبستری نہیں کی تو اس صورت میں اس نے قسم پوری کردی، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ((أن رسول الله ﷺ آلى من نسائه شهراً فنزل لتسع وعشرين وقال: **الشهر تسع وعشرون**)) "رسول اللہ

ﷺ نے اپنی ازواج سے ایک مہینے تک نہ ملنے کی قسم کھائی تھی پھر آپ ﷺ اُنتسویں کے دن (اس کمرے سے) نیچے اتر آئے (جس میں آپ ﷺ ٹھہرے تھے) اور فرمایا: **مہینہ اس دفعہ انتیس کا ہوا ہے"**۔

دوسری بات: اس طرح قسم کھائے کہ وہ چار مہینے سے زیادہ اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا، اسی کو شرعی ایلاء کہتے ہیں، ان دو آیات کریمہ میں اسی کے احکامات کا بیان ہے، اور وہ احکامات یہ ہیں:

ا۔ اگر اس نے چار مہینے پورا ہونے سے پہلے جماع کیا، تو اس صورت میں قسم کا کفارہ دے، اور بس۔

ب۔ اگر وہ رکا رہا یہاں تک کہ چار مہینے پورے ہو گئے، اس صورت میں اسے دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑے گا۔

پہلا: یا تو وہ فئی یعنی رجوع کرے گا، رجوع کا مطلب ہے کہ جس طرح قسم سے پہلے وہ جماع کیا کرتا تھا، اسی حالت کی طرف لوٹے، لہٰذا فئی جماع سے کنایہ ہے، اس صورت میں وہ قسم کا کفارہ دے گا۔

دوسرا: یا پھر طلاق دے گا۔

اگر وہ ان میں سے ایک کام بھی نہ کرنا چاہے، تو حکمران اس کی بیوی سے طلاق کا فیصلہ صادر کر دے گا۔

یہ تفصیل جو ہم نے بیان کی، دونوں آیات کریمہ کی دلالت سے اسی طرح معلوم ہوتی ہے، یعنی:

(لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ)" جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں" (**يؤلون** ایلاء سے ہے)۔ ایلاء، دراصل ایسی قسم ہوتی ہے کہ جس کام پر کھائی جائے اس میں نقصان ہونے کا تقاضا کرے، مثلاً کسی برے عمل کی قسم اٹھائے یا بھلائی والے کام میں کمی کرنے کی قسم اٹھائے، جیسے اللہ سبحانہ فرماتے ہیں: **(لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا) " یہ لوگ تمہاری بد خواہی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے"** (آل عمران: 118)۔ اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالی کا قول: **(وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ**

يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى) "اور تم میں سے جو لوگ اہل خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں... "(النور:22)۔ بعد میں اس کے شرعی معنی لیے گئے، یعنی بیوی کے ساتھ جماع سے روکنے والی قسم۔

(لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ) "ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے ایلاء کر لیتے ہیں"۔ عورتوں سے مراد یعنی اپنی بیویوں سے، اس میں اس بات پر دلالت کرنا مقصود ہے کہ ایلاء بیویوں کے ساتھ خاص ہے، لونڈیوں سے ایلاء نہیں کی جاتی۔

(تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ) "چار مہینے کی مہلت"، لفظ تَرَبُّصُ کے معنی انتظار کرنا اور ٹھہرنا کے ہیں، یعنی ایلاء کی صورت میں اس کے لیے صرف چار مہینے کی مہلت ہے، چار مہینے کے بعد وہ ٹھہرے گا اور دو میں سے ایک کام کا انتخاب کرے گا جو بعد میں مذکور ہیں۔

(فَإِنْ فَاءُوا) "پس اگر وہ واپس آئے"، یعنی وہ پہلی حالت پر واپس لوٹ آئیں، اس سے مراد جماع ہے۔

(وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ) "اور اگر وہ طلاق کا عزم کر لیں"، اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ بیوی صرف چار مہینے مدت گزر جانے سے طلاق نہیں ہو گی، بلکہ یا تو شوہر اس کو طلاق دے، یا پھر حکمران طلاق کا فیصلہ صادر کرے تو طلاق ہو جائے گی۔

اس طرح آیت کے معنی یوں ہوں گے:

بلاشبہ وہ لوگ جو اس طرح قسم کھائیں کہ وہ چار مہینے سے زیادہ اپنی عورتوں سے جماع نہیں کریں گے، تو یہ لوگ جب چار مہینے گزر جائیں، انہیں روکا جائے گا اور دو میں سے ایک کام پر مجبور کیا جائے گا:

یاتووہ رجوع کریں یعنی اپنی سابقہ حالت پر واپس ہو جائیں کہ جس طرح قسم اٹھانے سے پہلے جماع کرتے تھے، اب دوبارہ کریں، اس صورت میں قسم کا کفارہ دیں گے، یا پھر دوسری صورت میں یہ کریں کہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں، اگر وہ طلاق دینے سے بھی انکار کریں تو حکمران طلاق کا فیصلہ صادر کر دے گا۔

دونوں آیتوں کے آخر میں اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا ہے:

(فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ) "اگر وہ واپس آئے تو اللہ تعالی بخشنے والا بہت مہربان ہے"، یعنی انہوں نے جو قسم کھا کر عورت کو تکلیف دی ہے، اللہ اس کو بخش دے گا۔

(فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ) "اللہ سننے جاننے والا ہے"، یعنی اللہ ان کی ایلاء کو سنتا ہے، جو طلاق تک جا پہنچتی ہے، اللہ علیم ہے، یعنی اس ایلاء سے ان کا جو مقصد ہے اس کو جانتا ہے، اسی کے مطابق ان کو جزا دے گا۔

فہرست

سنتِ نبوی ﷺ وحی ہے اور قرآن کی وضاحت کرتی ہے

مصعب عمیر-پاکستان

تعارف: عربی زبان اور شرعی اصطلاح، دونوں میں سنت کے معانی

سُنّة، جس کی جمع "سُنَنٌ" ہے، لغوی اعتبار سے اس کے معانی طریقہ یا راستہ (سیرت) ہیں۔ بے مثال قرآنِ پاک، جس نے اپنے نزول کے بعد سے ہی قیامت تک کے لئے عربی زبان کیلئے ایک معیار مقرر کر دیا، کہتا ہے: ﴿**قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ**﴾ "تم سے پہلے کئی واقعات ہو چکے ہیں سو زمین میں سیر کرو" (آل عمران: 137)۔ یہ لغوی اعتبار سے راستوں (سنن) کی طرف اشارہ ہے۔ عربی زبان کے عروج کے دور میں، اوّلین اور بہترین پُشت کے شاعر، خالد بن ظہیر الحزلی، قصیدہ لکھتے ہوئے مصرعے میں کہتے ہیں،

فلا تجزعن من سنة انت سرتها واول راضي سنة من يسيرها

"اس راستے (سنة) پر افسوس مت کرو جسے تم نے اپنایا، اس راستے (سنت) کو قبول کرنے والا پہلا شخص وہی ہے جس نے اسے اپنایا"۔

شرعی اصطلاح میں، سنت کے معانی دو طرح سے ہیں۔ **اول:** سنت مندوب عبادات کے معانی میں ہے جیسے سوموار اور جمعرات کے دن کا روزہ۔ یہ معنی فرض عبادت کے برعکس ہے جیسا کہ رمضان کے روزے رکھنا۔ **دوئم:** وہ تمام بھی سنت کے معنی میں ہے جو کچھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ پر اُن کے قولی، فعلی اور اقراری اعمال کی صورت میں نازل کیا۔ یہ دوسرا شرعی معانی اُس کے علاوہ ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام کی صورت میں نازل کیا، یعنی قرآنِ کریم۔ لہٰذا قرآن کریم کی طرح، سنتِ مبارکہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہی نازل کردہ ہے۔ تاہم، قرآن کے برعکس، سنت اپنے فہم اور معانی کے اعتبار سے نازل ہوئی ہے نہ کہ

اپنے الفاظ کے اعتبار سے ؛ جبکہ قرآن مجید، اللہ سبحانہ وتعالی کے الفاظ ہوتے ہوئے، اللہ سبحانہ وتعالی کے کلام ہی کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ سنت کے معاملے میں، اللہ نے رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل کی اور آپ ﷺ نے اس وحی کو اپنے قول سے، فعل سے یا خاموشی کی صورت میں اپنی رضامندی سے ظاہر کیا۔

سنت، اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف سے ہی نازل کردہ ہے

یہ حتمی طور پر ثابت شدہ ہے کہ سنت وحی ہی ہے جس کے دلائل اپنے ثبوت اور الفاظ میں حتمی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا، ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى﴾ "اور نہ تو وہ اپنی خواہش نفس سے کچھ بولتے ہیں" (النجم: 3)۔ ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں اس آیت کے متعلق کہتے ہیں، ما يقول قولا عن هوى وغرض "(پیغمبر) اپنی خواہشِ نفس یا مرضی سے کچھ بھی نہیں کہتے"۔ امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں کہتے ہیں، ما يخرج نطقه عن رأيه ، إنما هو يوحي من الله عز وجل " کچھ بھی ایسا نہیں جو وہ اپنی مرضی سے بولتے ہوں۔ یہ صرف اللہ عزوجل کی طرف سے نازل کردہ وحی ہی ہے"۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَى﴾ "یہ تو وحی ہی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے" (النجم: 4)۔ ابنِ کثیر بیان کرتے ہیں: إنما يقول ما أمر به ، يبلغه إلى الناس كاملا موفرا من غير زيادة ولا نقصان، "رسول اللہ ﷺ لوگوں سے کُلی طور پر، بغیر کسی اضافہ و تخفیف کے، صرف وُہی کہتے ہیں جو اُنہیں پہنچانے کا حکم دیا جاتا ہے"۔

ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں امام احمد بن حنبل کا حوالہ دیتے ہیں۔ امام احمد روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا: كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم أريد حفظه ، فنهتني قريش فقالوا إنك تكتب كل شيء تسمعه من رسول الله، ورسول الله صلى الله عليه وسلم بشر ، يتكلم في الغضب. فأمسكت عن الكتاب، فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اكتب ، فوالذي نفسي بيده ، ما خرج مني إلا حق "میں ہر چیز لکھ لیا کرتا تھا جو کچھ میں رسول اللہ ﷺ سے سُنتا تھا، کیونکہ میں اُنہیں محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔

قریش اس بات پر یہ کہتے ہوئے میری حوصلہ شکنی کیا کرتے تھے، 'تم ہر وہ لفظ لکھ لیتے ہو جو تم رسول اللہ ﷺ سے سُنتے ہو، حالانکہ وہ ایک بشر ہیں اور بسا اوقات اس وقت بھی بولتے ہیں جبکہ وہ غصے میں ہوتے ہیں'۔ میں نے کچھ دیر کے لئے لکھنا چھوڑ دیا، مگر بعد میں رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا جو وہ (قریش) کہتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اكْتُبْ فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنِّي إِلَّا الْحَق** 'لکھو! اُس رب کی قسم، کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں حق کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کہتا'۔ ابوداؤد نے بھی یہ حدیث رقم کی ہے۔ اس طرح، رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کی کہ جو کچھ بھی اُن کی سنت میں موجود ہے، وہ دینِ حق ہی ہے۔ جس طرح، قرآن کی آیات بطور رہنمائی لی جاتی ہیں، بالکل اسی طرح احادیث بھی ہیں جو کہ سنت کو تشکیل دیتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے ہر طرح کی وحی کو لینا

سنت کو بطورِ شرعی قانون لینے کی فرضیت بھی اپنے حتمی ثبوت اور حتمی متن کے ساتھ حتمی ہے۔ لہٰذا، یہ تنہا قرآنِ کریم ہی نہیں ہے جو مسلمانوں کے اعمال کا تعین کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿**مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا**﴾ "جو بھی رسول ﷺ تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو" (الحشر: 7)۔ عبداللہ بن مسعودؓ، اس واقعہ میں سنت کی توثیق کرتے ہوئے اس آیتِ مبارکہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ بخاری اور مسلم سے روایت ہے اور ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں، امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہوئے، اس کا ذکر کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: لَعَنَ اللَّهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ "اللہ سبحانہ وتعالی نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو ٹیٹو (tattoo) بناتی یا بنواتی ہیں، بھوؤں بدلتی ہیں اور خوبصورتی کے لئے دانت تراشتی ہیں، اور جو اللہ نے تخلیق کیا اسے بدلتی ہیں"۔ ایک عورت آئی اور انہیں کہنے لگی: میں نے سُنا کہ آپ نے اس طرح کی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ انھوں نے پوچھا: مَا لِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ هُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ

"میں کیوں نہ اُن پر لعنت کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور وہ جو اللہ کی کتاب میں مذکور ہیں؟ وہ عورت بولی: میں نے وہ تمام پڑھا ہے جو (قرآن کے) پہلے اور آخری صفحے کے درمیان ہے لیکن مجھے اس میں ایسا کچھ نہیں ملا جو آپ ذکر کرتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا: لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ أَمَا قَرَأْت: **(مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا)** "اگر تم نے یہ پڑھ لیا ہوتا، تو تم نے اسے پالیا ہوتا۔ کیا تم نے یہ نہیں پڑھا، **"اور جو بھی رسول ﷺ تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو"** (الحشر: 7) ؟...اس عورت نے کہا: بے شک۔ تو انھوں نے کہا: فإنه قد نهى عَنهُ "لہٰذا، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا"۔ اس طرح، عبداللہ بن مسعودؓ نے اس حقیقت کا حوالہ دیا کہ ان اعمال کی ممانعت سنت سے ثابت ہے، لہٰذا ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

مؤمنین رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں

اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا : ﴿ **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ، وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** ﴾ "تمہارے رب کی قسم! یہ تب تک مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے تنازعات میں (اے پیغمبر) آپ کو منصف نہ مان لیں اور جو فیصلہ آپ ﷺ کر دیں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں اور خوشی سے تسلیم کر لیں" (النساء: 65)۔

ابنِ کثیر اس آیت کے شانِ نزول کے بیان میں سنت پر ایک اختلاف ہو جانے کے ایک واقعہ پر تبصرہ کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں، "بخاری نے روایت کیا کہ عروہ نے کہا: زبیر کا ایک شخص سے ایک ندی کے معاملے پر تنازعہ ہوا جسے دونوں اپنی زمینوں کی سیرابی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے زبیر سے کہا: **اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِك "اے زبیر! پہلے تم اپنی زمین کو سیراب کر لو اور پھر پانی کو اپنے ہمسائے کی طرف بہنے دو"**۔ انصاری اس بات سے ناراض ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ اس لئے ہے کہ وہ آپ کا رشتہ دار ہے؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر غصے کے تاثرات ظاہر ہوئے اور انہوں نے فرمایا، **اسْقِ يَا زُبَيْرُ**

ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ،ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلى جَارِكَ "اپنی زمین سیراب کرلو، اے زبیر! اور پھر پانی کو روک لو یہاں تک کہ وہ دیواروں تک پہنچ جائے۔ پھر اس پانی کو اپنے ہمسائے کی طرف بہنے دو"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو ان اصل اور مکمل حق دے دیا جبکہ انصاری نے انہیں ناراض کر دیا تھا۔ اس سے پہلے، رسول اللہ ﷺ نے سخاوت پر مبنی فیصلہ کیا تھا، جو زبیر اور انصاری، دونوں کے لئے فائدہ مند تھا۔ زبیر نے کہا: میرا خیال ہے، کہ یہ آیتِ مبارکہ اسی صورتحال کے تناظر میں نازل ہوئی تھی، ﴿**فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ**﴾ **"تمہارے رب کی قسم! یہ تب تک مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے تنازعات میں (اے پیغمبر) آپ ﷺ کو منصف نہ مان لیں"** (النساء: 65) ۔

امام شافعی کی کتاب، الرسالہ، جس میں فقہ بشمول سنتِ نبوی سے متعلق اصول مرتّب کئے گئے ہیں، اس میں اس آیت اور زبیر کے واقعہ کے حوالے سے امام شافعی بیان کرتے ہیں: نزلت هذه الآية فيما بلغنا والله أعلم في رجل خاصَمَ الزُّبَيْر في أرضٍ، فقضى النبي بها للزبير. وهذا القضاء سنة من رسول الله، لا حُكْمٌ منصوص في القُرآن. والقُرآن يدل والله أعلم على ما وصفْتُ، لأنه لو كان قضاءً بالقُرآن كان حُكماً منصوصاً بكتاب الله "یہ آیت جب نازل ہوئی، جہاں تک ہمیں خبر ملی ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، یہ ایک شخص سے متعلق تھی جو زبیر سے کسی زمین کے معاملے پر جھگڑ پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے زبیر کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس فیصلہ سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی تشکیل ہوئی، ایسا حکم جو کہ قرآن میں واضح طور پر نص سے بیان نہ تھا۔ قرآن میں دلیل ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، جو کہ میں اُوپر بیان کر چکا ہوں۔ اگر یہ فیصلہ قرآن میں خود موجود ہوتا، تو یہ اللہ کی کتاب میں واضح طور پر نص کے ساتھ ایک حکم کی صورت میں ہوتا"۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ جو فیصلہ کر دیں، مؤمنین اسی پر سر تسلیم خم کرتے ہیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا** ﴾

"اور کسی مومن مرد اور عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے معاملات میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے بے حکم چلا، پس وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا"(الاحزاب:36)۔

عبداللہ بن عباسؓ سے طاؤس نے عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اسے ایسا نہ کرنے کو کہا۔ ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت کی، ﴿ **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلاَ مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ** ﴾ "اور کسی مومن مرد اور عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے معاملات میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں"۔ اس طرح، ابن عباسؓ نے طاؤس کو اس مسئلہ کے حل کے لئے سنت سے رجوع کرنے کا کہا۔

ابنِ کثیر اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں، هذه الآية عامة في جميع الأمور ، وذلك أنه إذا حكم الله ورسوله بشيء ، فليس لأحد مخالفته ولا اختيار لأحد هاهنا ، ولا رأي ولا قول "یہ آیت اپنے معانی میں عام ہے اور تمام امور پر لاگو ہوتی ہے۔ یعنی، جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ ایک مسئلے پر کوئی فیصلہ کر دیں، تو کسی کو اس سے مخالفت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو اس معاملے میں اپنی خواہش یا ذاتی رائے کا کوئی بھی اختیار ہے"۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں، "حتیٰ کہ اس سے مخالفت کے معاملے کو ان سخت الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ **وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَلاً مُّبِيناً** ﴾ "اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے منہ موڑے گا، پس وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا"۔ لہٰذا قرآنِ مجید اور سنتِ رسول ﷺ میں جو بھی نازل ہوا ہے، اس میں اپنی رائے دینا یا اس سے رُوگردانی کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں۔

مجمل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سنتِ مبارکہ قرآنِ کریم کی وضاحت کرتی ہے۔

ایسے متعدد دلائل موجود ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ سنت کس طرح قرآن کے مجمل متن کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ قرآن مجید کے مجمل متن، اعمال کے لئے حکم دیتے ہیں جبکہ ان کی تفصیل، ان اعمال کو ادا کرنے کا طریقہ بیان کرتی ہے۔

امام نووی بیان کرتے ہیں، "على السنن مدار أكثر الأحكام الفقهيات، فإن أكثر الآيات الفروعيات مجملات، وبيانها في السنن المحكمات، وقد اتفق العلماء أن على القاضي والمفتي أن يكون عالمًا بالأحاديث الحكميات "سنن (سنت کی جمع) اکثر فقہی احکامات کا مرکز ہیں، کیونکہ بہت سی جزوی آیات مجمل ہیں اور سنت کے بیان میں ہی اُن کی وضاحت ملتی ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قاضی اور مفتی کے لئے لازم ہے کہ وہ (احکامات دینے والی) احادیث کا علم جانتے ہوں"۔ درحقیقت، سنت کے ذریعے مجمل متن کی تفصیل بیان کیے بغیر مسلمانوں کے لئے نماز ادا کرنا، حج اور زکوۃ کی ادائیگی ممکن نہ ہو گی یا دیگر بے شمار فقہی مسائل کے ساتھ یہ جاننا ممکن نہ ہو گا کہ کب چور کا ہاتھ کاٹنا ہے اور کب نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَأَقِيمُوا الصَّلاةَ** ﴾ "اور نماز قائم کرو" (البقرۃ: 43)۔ پس، اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآنِ کریم میں مجمل انداز میں نماز کی فرضیت کا حکم دیتے ہیں، اور بغیر کسی تفصیل کے کہ آیا یہ ایک نماز ہے یا ایک سے زیادہ، اس کے ادا کرنے کا طریقہ اور رکعتوں کی تعداد کیا ہے، اوقاتِ نماز اور اس کے ارکان کیا ہیں جن کے بغیر نماز ادا نہیں ہو سکتی۔ پس، سنت سے ہی قرآن کے ان مجمل متن کی تفصیلات ملتی ہیں کہ نماز کس طرح پڑھنی ہے، رکعتوں کی تعداد اور اوقاتِ نماز وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، **صَلُّوا كما رأيتُموني أُصَلِّي** "اس طرح نماز ادا کرو جیسے تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو" (بخاری)۔ اس طرح، رسول اللہ ﷺ کے اعمال نے نماز سے متعلق دیگر احادیث کے ساتھ مسلمانوں پر اوقاتِ نماز اور رکعتوں کی تعداد کو واضح کر دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا** ﴾ "اور اس گھر (بیت اللہ) کا حج کرنا لوگوں پر اللہ کا حق ہے، جو کوئی استطاعت رکھتا ہو" (آلِ عمران: 97)۔ قرآن مجید، مناسکِ حج

کی تفصیلات بیان کئے بغیر، حج کی فرضیت کو کُلی طور پر بیان کرتا ہے۔ پھر یہ سنت ہی ہے جو قرآن کے اس مجمل کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے، **أَلا فخُذُوا عَنِّي مَناسِكَكُم** "اپنے مناسک مجھ سے لو" (احمد)۔ لہٰذا مناسکِ حج کی ادائیگی کی تفصیلات ان احادیث سے ہی ملتی ہیں جو سنت کی تشکیل کرتی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَآتُوا الزَّكَاةَ** ﴾ "اور زکوٰۃ ادا کرو" (البقرۃ: 24)۔ قرآن مجید اُن تفصیلات کے بغیر، جیسے وہ ملکیت جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا فرضیت کا کم از کم نصاب وغیرہ، مجمل انداز میں زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم دیتا ہے۔ پھر یہ احادیث ہی ہیں جو کہ زکوٰۃ کا نصاب اور دیگر تفصیلات مقرر کرتی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُواْ أَيْدِيَهُمَا جَزَاء بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّهِ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** ﴾ "چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی کمائی کی سزا ہے، اللہ کی طرف سے تنبیہ ہے اور اللہ زور آور، حکمت والا ہے" (المائدۃ: 38)۔ اس اسلامی حکم کو لاگو کرنے کی تفصیل سنت سے ملتی ہے۔ ام المومنین عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **تُقْطَعُ الْيَدُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا** "ہاتھ کا کاٹنا، ایک دینار کے چوتھائی یا اس سے زیادہ پر ہے" (بخاری)۔ ہاتھ کاٹنے کی سزا کا نصاب، سونے کے دینار کا ایک چوتھائی مقرر کیا گیا ہے جو کہ 1.0625 گرام سونے کے مساوی ہے کیونکہ شرعی طور پر سونے کے دینار کا وزن 4.25 گرام ہوتا ہے۔ سنت ہی یہ واضح اور متعین کرتی ہے کہ قحط سالی کے دوران ہاتھ کاٹنا موقوف ہوگا۔ امام سرخسی، المبسوط میں روایت کرتے ہیں کہ مکحول نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **لَا قَطْعَ فِي مَجَاعَةِ مُضْطَرٍّ** "زبردست قحط کے دور میں کوئی ہاتھ نہ کاٹا جائے گا"۔

اسی لئے خلیفۂ راشد، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے دوران چور کا ہاتھ نہ کاٹ کر، سنت کی ہی پیروی کی۔ امام سرخسی، المبسوط میں امام حسنؒ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں، کہ ایک شخص نے کہا، "میں نے دو آدمی دیکھے جو آپس میں بندھے ہوئے تھے اور ایک گوشت کا ٹکڑا ان کے پاس تھا۔ چنانچہ میں ان کو ساتھ لئے عمرؓ کے پاس گیا۔ پھر ان میں سے ایک نے، جو گوشت کا مالک تھا، کہا، "ہمارے پاس ایک حاملہ اونٹنی تھی جس کا ہم بچہ جننے کا انتظار کر رہے تھے،

بالکل اسی طرح جیسے زرخیز بہار کا انتظار کیا جاتا ہے۔ لیکن پھر مجھے پتہ چلا کہ ان دونوں آدمیوں (چوروں) نے اس اُونٹنی کو ذبح کر دیا"۔ پس، عمرؓ نے فرمایا، "هَلْ يُرْضِيك مِنْ نَاقَتِك نَاقَتَانِ عُشَرَاوَانِ مُرْبِعَتَانِ؟ فَإِنَّا لَا نَقْطَعُ فِي الْعِذْقِ، وَلَا فِي عَامِ السَّنَةِ " "کیا تم اس کے بدلے دو اسی طرح کی حاملہ اُونٹنیاں لینا قبول کروگے؟ یہ اس لئے ہے کہ ہم العذق کے دور میں ہاتھ نہیں کاٹتے اور نہ ہی قحط کے سال میں"۔

سنت عام کی تخصیص کرتے ہوئے قرآن کی وضاحت کرتی ہے

سنتِ مبارکہ قرآن کے عمومی متن کی تخصیص کرتے ہوئے، قرآن کی وضاحت بھی کرتی ہے۔ عربی لغت میں، عام لفظ معرفہ کی صورت (جس کیلئے عربی میں ال The استعمال ہوتا ہے) میں ہوتا ہے جس کے تحت دو یا دو سے زائد اقسام آتی ہوں، جن میں مذکورہ دلیل سے کوئی ترجیح واضح نہ ہو، ماسوائے یہ کہ کوئی تخصیص فراہم کی جائے۔ لفظ "الملائکہ" پر غور کریں جو عام ہوتے ہوئے ہر فرشتے پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ اپنے سے نیچے موجود ہر چیز کے حوالے سے عام ہے، جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل۔ شریعت میں، عمومی متن کی سنت سے تخصیص کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں وراثت اور طلاق سے متعلق احکامات بھی شامل ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے حکم دیا کہ اولاد اپنے والدین کی وارث ہوتی ہے: ﴿ **يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ** ﴾ "اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ہدایت فرماتا ہے، ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے" (النساء: 11)۔ اس طرح یہ آیت ہر باپ سے وراثت لینے میں عام ہے۔ یہ مورّث کے حوالے سے ہے یعنی جو شخص کوئی میراث چھوڑتا ہے۔ آیت، ہر وارث کے لئے بھی عام ہے۔ اس طرح، اس میں ہر باپ اور ہر وارث آتے ہیں جب تک کہ کوئی تخصیص نہ کی گئی ہو۔

پس سنت نے ہی اس عمومی متن کو مخصوص کیا اور مورّث باپ، جس سے میراث لی جائے، کے حکم سے انبیاء کو مستثناء رکھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ "**لا نُورَثُ ما تَرَكناهُ صَدَقَة** " "ہم (انبیاء) وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے" (بخاری، مسلم واحمد) ۔ سنت، قاتل کو علیٰحدہ کرتے ہوئے، ورثا کی

تخصیص بھی کرتی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ **ولا یرِثُ القاتِلُ شیأً** "قاتل کسی شے کا وارث نہیں ہوتا" (ابوداؤد)۔ لہٰذا، ایسے مسئلے میں جب کسی وارث نے اپنے حصہ کے لئے دوسرے وارث کو قتل کر دیا ہو، قرآنِ کریم کے اس عمومی متن کی سنتِ مبارکہ سے تخصیص کی رُو سے، اسلامی عدالت کو ایسے وارث کو اس کے حصہ سے ضرور الگ رکھنا چاہئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے : ﴿ **وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا** ﴾ "اور تم میں جو لوگ مر جائیں، اور بیوائیں چھوڑ جائیں، وہ اپنے تئیں چار مہینے اور دس دن تک انتظار کریں" (البقرۃ:234)۔ یہ آیتِ مبارکہ عدت کے دنوں کی عمومی طور پر نشاندہی کرتی ہے کہ جس میں بیوہ دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی۔ پھر اس آیت کی سُبیعَة الأَسلمية والی حدیث سے تخصیص ہوتی ہے جب انہوں نے اپنے خاوند کے انتقال کے پچیس دن بعد بچے کو جنم دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کہا کہ اب اسے دوبارہ نکاح کی اجازت ہے، اس طرح سنت نے واضح کیا کہ یہ آیت غیر حاملہ بیوہ کے لئے مخصوص ہے۔

سلمان بن یاسر روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ، ابنِ عباسؓ اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؒ سے مذکور ہے کہ وہ حاملہ عورت جس کا خاوند انتقال کر جائے اور وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بچے کو جنم دے۔ چنانچہ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں، **تَعْتَدُّ آخِرَ الأَجَلَيْنِ** "وہ (عورت) دو (حیض) کی میعاد تک عدت مکمل کرے"۔ ابو سلمہؓ فرماتے ہیں، **بَلْ تَحِلُّ حِينَ تَضَعُ** "بلکہ، اس عورت کو اجازت ہے جب وہ جنم دے چکے"۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، **أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي** "میں اپنے بھتیجے کے ساتھ ہوں"، یعنی ابو سلمہؓ۔ چنانچہ انہوں نے اُم المؤمنین اُم سلمہؓ کو پیغام بھیجا۔ تو انہوں نے فرمایا، **قَدْ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ الأَسْلَمِيَّةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِيَسِيرٍ فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ** "سُبيعَة الأَسلمية نے اپنے شوہر کے انتقال کے مختصر ہی عرصے بعد بچے کو جنم دیا، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس امر کے بارے میں فیصلہ چاہا تو آپ ﷺ نے اسے شادی کی اجازت دی" (ترمذی)۔ اس طرح، صحابہؓ کے مابین اختلاف کے مسئلے میں، عدت کے حوالے سے قرآن میں مذکور عمومیت کو حدیث نے مخصوص کیا کہ اس کا اطلاق صرف اُس بیوہ پر ہے جو حاملہ نہ ہو۔

سنت مطلق کو مقید (تقیدالمطلق) کرتے ہوئے قرآن کی وضاحت کرتی ہے

قرآن مجید میں ایسی آیات ملتی ہیں جو مطلق کے معنی میں ہیں۔اور یہ سنتِ نبوی ﷺ ہی ہے جو ان کی حدود متعین کرتی ہے۔

جہاں تک عربی میں مطلق کا تعلق ہے، تو یہ نقرہ الفاظ پر بنایا گیا ہے جو عام سے مختلف ہے جو معرفہ الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ غیر معینہ صورت میں یہ لفظ ایک مشترک معنی کو ظاہر کرتا ہے جو اس کی صنف (جنس) میں سے ہو، اور اس معانی میں وہ مطلق ہوتا ہے۔ لہذا لفظ "مسلم" کا اطلاق مسلمانوں کی جنس کے تمام ارکان پر ہوتا ہے جس میں مطلقاً تمام مسلمان شامل ہیں۔ مطلق عام سے مختلف ہے کیونکہ یہ معرفہ ہوتا ہے جس کے تحت ہر مسلمان آتا ہے، نہ کہ کوئی مسلم۔

مطلق مقید سے متضاد ہے جو ایک معین، منفرد معانی دیتا ہے جیسے "زید"، نہ کہ "ایک انسان" یا "تین دنوں کا روزہ" نہ کہ "ایک روزہ"۔ یہ اس زبان کے متعلق ہے جس میں وحی نازل ہوئی، یعنی عربی۔ اب یہ ملاحظہ کریں کہ سنت کس طرح قرآن کے مطلق کو مقید کرتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ** ﴾ "اور اپنے سر کی حجامت نہ کرو جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے۔ پھر جو کوئی تم میں مریض ہو، یا اس کے سر میں کوئی بیماری ہو، تو اس کا فدیہ دے، روزہ یا صدقہ یا قربانی" (البقرۃ :196)۔ عربی کے الفاظ، صیام (روزہ)، صدقہ اور نسک (قربانی) گرامر کے حساب سے نکرہ حالت میں مذکور ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ بغیر کسی قید کے اپنے مفہوم میں مطلق ہیں۔ یہاں روزہ اپنی جنس میں بغیر کسی قید کے روزہ ہے۔ یہاں صدقہ اپنی جنس میں بغیر کسی قید کے صدقہ دینا ہے۔ اور یہاں قربانی اپنی جنس میں بغیر کسی قید کے قربانی کرنا ہے۔ تو اب مومن کو یہ کیسے معلوم ہو کہ کتنے روزے رکھنے ہیں، کتنا صدقہ دینا ہے یا کتنی قربانی کرنی ہے؟ اس مطلق کو مقید کی ضرورت ہے۔

یہ الہامی سنتِ مبارکہ ہی ہے جو مطلق کو قید کرتے ہوئے، فدیہ کے روزے، خیرات اور قربانی کے حوالے سے حدود مقرر کرتی ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو "صیام" کو تین دن کے روزے تک قید کرتی ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو "صدقہ" کو چھ مسکینوں کے لئے ایک فراق تک قید کرتی ہے، جبکہ فراق تین صاع ہے، اس طرح ہر مسکین کے لئے نصف صاع ہے۔ اور اسی طرح سنت ہی ہے جو "قربانی" کو ایک مادہ بھیڑ ذبح کرنے تک قید کرتی ہے۔

مسلم سے مروی ہے کہ کعب بن اُجرہؓ بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ احرام کی حالت میں ان کے پاس سے گزرے اور کعب اس وقت کھانے کے برتن تلے آگ جلا رہے تھے اور حشرات کعبؓ کے چہرے پر رینگ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا، **أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ هَذِهِ**، "کیا یہ حشرات تمہیں تنگ کرتے ہیں؟"۔ کعبؓ نے کہا، "جی ہاں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **فاحلِقْ رَأْسَكَ وأطْعِم فَرْقاً بين ستَّةِ مَساكينَ والفرقُ ثلاثةُ آصُعٍ أو صُم ثلاثة أيامٍ أوِ انسَك نسيكةً** "اپنے سر کی حجامت کرو یا چھ مساکین کو ایک فراق کھانا کھلاؤ اور فراق تین صاع ہے، یا تین دن روزے رکھو یا ایک قربانی کا جانور ذبح کرو"۔ بخاری کی روایت میں، رسول اللہ ﷺ نے کعب سے کہا، **مَا كُنْتُ أُرَى أَنَّ الْجَهْدَ قَدْ بَلَغَ بِكَ هَذَا أَمَا تَجِدُ شَاةً** "میں نے یہ کبھی نہ سوچا تھا کہ تمہاری بیماری (یا مشقت) اتنی حد تک بڑھ جائے گی جیسا کہ میں دیکھتا ہوں۔ کیا تم ایک بھیڑ کی استطاعت رکھتے ہو؟"۔ کعب نے جواب دیا، "نہیں"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، **صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ، وَاحْلِقْ رَأْسَكَ** "تین دن روزے رکھو یا چھ مساکین کو کھانا کھلاؤ، ہر ایک کو نصف صاع ہو اور اپنے سر کی حجامت کرو" (بخاری)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ** ﴾ "یہ اس وصیت اور قرض کے ادا کر دینے کے بعد ہے" (النساء: 11)۔ لفظ "وصیۃ" اپنی مرضی سے اپنی وصیت میں سے صدقہ دینے کے حوالے سے ہے۔ یہ نکرہ کے زُمرے میں ایک مطلق حوالے سے ہے۔ یہ کسی معین کی حد کے بغیر کوئی بھی وصیت ہے، یعنی بغیر کسی مخصوص مقدار کے۔

پھر یہ سنتِ مبارکہ ہی ہے جو وصیت کی رقم سے دیے گئے صدقے کو ایک تہائی یا کم پر مقید کرتی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں کہ مرنے والے کی میراث سے صدقے کے لئے ایک تہائی سے زیادہ رقم لے لی جائے۔ سعدؓ سے مروی ہے، "میں مکہ میں شدید بیمار ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ مجھ سے ملنے آئے۔ میں نے کہا، "اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے بعد ایک اچھا خاصا ترکہ چھوڑ جاؤں گا، لیکن میری وارثہ صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں یہ وصیت کر دوں کہ میری جائیداد کا دو تہائی خیرات میں خرچ ہو اور ایک تہائی (اپنی وارثہ کے لئے) چھوڑ دوں؟"۔ رسولِ اکرم ﷺ نے کہا، **لاَ** "نہیں"۔ میں نے کہا، "کیا میں نصف وصیت کر دوں اور نصف چھوڑ دوں؟" رسولِ اکرم ﷺ نے کہا، **لاَ** "نہیں"۔ میں نے کہا، "کیا میں ایک تہائی وصیت کر دوں اور دو تہائی چھوڑ دوں؟"۔ رسولِ اکرم ﷺ نے کہا، **الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ** "ایک تہائی، اگرچہ ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہے" (بخاری)۔

سنت قرآن میں موجود اصل سے احکامات کی فرع کو جوڑ کر قرآن کی وضاحت کرتی ہے

سنت، احکامات کی فروعات میں سے ایک فرع کو اپنے اصل سے جوڑتی ہے جو قرآن میں وارد ہو۔ یہ ممکن ہے کہ بظاہر سنت میں موجود فروعی حکم ہی اصل حکم ظاہر ہو۔ تاہم، جانچ پڑتال کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً یہ قرآن کے اصل کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ سنت کے ایسے احکامات جن کا اصل قرآن میں وارد ہوا ہو، ان کی بہت سی مثالیں ہیں۔

جن عورتوں سے شادی کی ممانعت ہے، اس ممانعت والی آیت میں، اللہ سبحانہ وتعالی نے یہ کہتے ہوئے دو بہنوں سے اکٹھا شادی کرنے کو بھی اس ممانعت میں شامل کیا، ﴿ **وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ** ﴾ "اور دو بہنوں کو ایک ہی وقت میں نکاح میں اکٹھا کرنا" (النساء: 23)۔ اس طرح، اصل حکم دو بہنوں کو نکاح میں اکٹھا لینے کی ممانعت ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو اصل کے ساتھ دوسری شاخوں کو جوڑ کر، ایک عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کو نکاح میں لینے کی ممانعت کرتے ہوئے اس کی وضاحت کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اصل حکم کے ساتھ اضافہ کرتے ہوئے واضح کیا، **لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا عَلَى خَالَتِهَا وَلَا الْمَرْأَةُ عَلَى ابْنَةِ أَخِيهَا وَلَا عَلَى ابْنَةِ أُخْتِهَا** "ایک عورت اور اس کی خالہ یا

پھوپھی اکٹھی نکاح میں نہیں لی جاسکتیں نہ ہی اس کی بھانجی یا بھتیجی سے ایک ہی وقت میں نکاح کیا جاسکتا ہے"(احمد)۔ ابن حبان نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا، **نهَى رسولُ اللهِ صلى اللهُ عليهِ وسلَّمَ أن تُزَوَّجَ المرأةُ على العمَّةِ والخالةِ قالَ إنَّكُنَّ إذا فعَلتُنَّ ذلك قطَّعْتُنَّ أرحامَكُنَّ** "رسول اللہ ﷺ نے عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ سے شادی سے منع کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تم (عورتوں) نے ایسا کیا تو تم نے اپنے رحم کا رشتہ کاٹ دیا "۔ اس طرح آپ ﷺ نے ان عورتوں سے شادی کی ممانعت کو دو بہنوں کو اکٹھا نکاح میں لینے سے جوڑ دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿**وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ**﴾ "تمہاری وہ مائیں جو تمہیں دودھ پلا چکی ہوں اور تمہاری دودھ شریک بہنیں" (النساء: 23)۔ لہٰذا، ایک آدمی اس عورت سے شادی نہیں کر سکتا جس نے اسے دودھ پلایا ہو اور نہ ہی اُن کی بیٹیوں سے شادی کر سکتا ہے۔ یہ سنت ہی ہے جو محرم رشتوں کی عورتوں سے نکاح کی ممانعت میں رضاعت کے رشتوں کی ممانعت کا بھی اضافہ کرتی ہے۔ اس طرح، سنت نے رضاعی ماں اور رضاعی بیٹی، رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بہن اور رضاعی بھائی کی بیٹی اور اسی طرز کے دوسرے رشتوں کا اضافہ کر دیا۔

ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حمزہؓ کی بیٹی سے شادی کی پیشکش ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي إِنَّهَا اِبْنَةُ أَخِي مِنْ اَلرَّضَاعَةِ وَيَحْرُمُ مِنْ اَلرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنْ اَلنَّسَبِ** "وہ مجھ پر حلال نہیں کیونکہ وہ رضاعت کے رشتے سے میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے اور جو خونی رشتوں (نسب) سے محرم ہیں وہ رضاعت کے رشتوں سے بھی محرم ہیں" (بخاری و مسلم)۔ اس طرح، حدیث نے قرآن میں مذکور رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے جڑے خواتین کے رشتوں کا اضافہ کرتے ہوئے نسب (خون) کے رشتوں کی ممانعت کو رضاعت کے رشتوں کی ممانعت سے منسلک کر دیا۔

سنت سے بیان کردہ اصل احکامات جن کا ماخذ قرآن میں نہیں ہے

مزید برآں، رسول اللہ ﷺ نے نئے احکامات بیان کئے جن کا اصل ماخذ قرآنِ کریم سے منسلک نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے ہر نئے حکم کو قرآن میں اس کی اصل کے ساتھ منسلک کرنا ضروری نہیں ہے، اگرچہ زیادہ تر احکامات میں ایسا نہیں ہے۔

اس کی ایک مثال، عوامی اثاثہ جات کی عوامی ملکیت میں ہونے کی تصدیق ہے، جو ایک نیا حکم ہے اور سنت میں ہی موجود ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ **المسلمون شُركاءُ في ثلاثٍ: في الكلإِ والماءِ والنارِ** "مسلمان تین چیزوں میں شراکت دار ہیں، پانی، چراگاہیں اور آگ" (ابوداؤد)۔ یہ حکم اپنے اصل میں قرآن سے اخذ کردہ نہیں ہے۔ یہ سنت کا ہی بیان کردہ اصل حکم ہے۔

دوسری مثال کسٹم ٹیکس کی ممانعت ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا؛ **لا يدخُلُ الجنَّةَ صاحِبُ مَكْسٍ** "کسٹم ٹیکس مسلط کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا" (احمد)۔ یہ حکم اپنے اصل میں قرآن سے اخذ کردہ نہیں ہے۔

تو یہ کچھ مثالیں ہیں، اگرچہ زیادہ تر مثالوں میں رسول اللہ ﷺ جو نئے احکامات لائے ہیں وہ اپنے اصل میں قرآن سے ہی منسلک ہیں۔

نتیجہ: سنتِ نبوی ﷺ وحی ہے جو قرآن کی وضاحت کرتی ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ** ﴾ "اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ (کے حکم) کی طرف رجوع کرو" (النساء:59)۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب قرآنِ پاک کی طرف رجوع کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے رجوع کا مطلب، ان کی حیاتِ مبارکہ میں ان سے رابطہ کرنا اور پھر اُن کی رحلت کے بعد اس کا مطلب ان کی سنتِ مبارکہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اسی لئے ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے لہٰذا سنت کو علیحدہ کرتے ہوئے ہم صرف وہی لیتے ہیں جو اس کتاب میں ہے۔ ہم، قرآن و سنت دونوں کو ہی شرعی احکامات کے طور پر لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تنبیہ کی، **يُوشِكُ رَجُلٌ مُتَّكِأً عَلى أَرِيكَتِهِ, يُحَدَّثُ بِحَدِيثٍ مِن حَدِيثِي, فَيَقُولُ: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُم**

كِتَابُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ, مَا وَجَدْنَا فِيهِ مِنْ حَلالٍ اسْتَحْلَلْنَاهُ, وَمَا وَجَدْنَا فيهِ مِن حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ, أَلاَ وإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَى اللهُ علَيْهِ وسَلَّمَ مِثْلُ ما حَرَّمَ اللهُ "اس میں کوئی شک نہیں کہ تم میں سے ایک شخص اپنے بستر پر ٹیک لگائے ہوئے ہو، جسے میری حدیث سنائی جائے اور وہ کہے: ہمارے اور تمہارے درمیان بس، اللہ عزوجل کی کتاب ہی ہے جو کچھ حلال ہم اس میں پائیں گے اسے ہم جائز کریں گے اور جو کچھ حرام ہوگا اس سے ہم منع کریں گے۔ نہیں، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو کچھ بھی منع کر دیا وہ بالکل ایسے ہی ہے جو اللہ نے منع کر دیا" (ابن ماجہ)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ** ﴾ "اور ہم نے تم پر یہ کتاب (نصیحت) نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں پر کھول کر بیان کر دو جو ان پر نازل کیا گیا ہے" (النحل: 44)۔ ابنِ کثیر بیان کرتے ہیں، ولعلمنا بأنك أفضل الخلائق وسيد ولد آدم ، فتفصل لهم ما أجمل ، وتبين لهم ما أشكل "اور ہمیں یہ بتانے کے لیے کہ آپ ﷺ سب سے بہترین مخلوق ہیں اور آپ ﷺ آدم کی آل کے آقا ہیں، کیونکہ آپ ﷺ ان کے لیے مجمل کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور ان کے لیے وہ تمام واضح کرتے ہیں جو مبہم ہے"۔ یقیناً، یہ سنتِ نبوی ہی ہے جو کہ قرآن مجید کی تشریح کرنے والی ہے۔ سنتِ نبوی، قرآن مجید میں مجمل کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ سنتِ نبوی ہی قرآن میں عام کی تخصیص کرتی ہے۔ سنتِ نبوی ہی قرآن میں مطلق کو قید کرتی ہے۔ سنتِ نبوی ہی شرعی احکامات کی فرع کو قرآن مجید میں ان کی اصل سے منسلک کرتی ہے۔ یہاں تک کہ کچھ ایسی مثالیں بھی ہیں، جن میں سنت نبوی نے نئے احکامات بیان کئے ہیں، جن کا ماخذ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اسی لئے، سنتِ نبوی بالکل اسی طرح ایک شرعی دلیل ہے جیسے کہ قرآنِ پاک ایک شرعی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، **تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وسُنَّةَ نَبِيِّهِ "** میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑو گے تو تم کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت" (موطا امام مالک)۔

فہرست

تقلید

استاذ حمزہ حرز اللہ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو کائنات کا خالق ہے، زمین و آسمان کا رب ہے، اُس نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور انہیں چیزوں کے نام سکھائے، ان کے سامنے جنوں اور فرشتوں سے سجدہ کروایا اور بنی آدم کو عزت و کرامت سے نوازا۔ پھر ابلیس نے تکبر کیا اور انسانوں کو بہکانے کی ٹھان لی۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو امتحان گاہ اور میدانِ عمل بنایا ہے، بدلہ دینے کی جگہ نہیں بنایا۔ اللہ نے اپنی رحمت سے انسانوں کی طرف انبیاء اور رسول بھیجے، اور زمین و آسمان میں بسنے والوں میں سب سے زیادہ بہترین ہستی کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا، جس کی رسالت کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تکمیل ہوئی۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے زمین و آسمان کے برابر حمد ہو، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ گواہی جو اللہ سے ہماری مغفرت اور معافی کا سبب بن کر ہمیں اللہ کی دوزخ سے نجات دلادے، اور ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جن کا فرمان ہے: **((مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ))** **"اللہ تعالیٰ جس کے لیے خیر اور بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتے ہیں"** (بخاری و مسلم)۔

اس کے بعد، ہم اس موضوع پر اس لیے کچھ لکھ رہے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ امت کو اس موضوع کو سمجھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ ہر مسلمان شریعت کے علم میں اجتہاد نہیں کر سکتا، ظاہر ہے کہ پھر اس کو اجتہاد کرنے والوں کی تقلید کرنی پڑتی ہے۔ اس کو تقلید کی ضرورت ہے تاکہ اپنے رب کے اوامر اور نواہی کو پہچان سکے، اپنے دین پر پابندی کے ساتھ عمل کر سکے اور اپنی پوری زندگی کو دین کے تحت گزار سکے۔

اس معاملے میں زیادہ بگاڑ شریعت کے علم کے کھو جانے اور امت کے اذہان سے اس کے اوجھل ہو جانے سے آیا، اس کی وجہ مجتہد علماء کا ان کے درمیان سے اُٹھ جانا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت نقل کی ہے: ((**حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ سَمِعْتَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنْ النَّاسِ وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا**)) "قتیبہ بن سعید نے ہم سے حدیث بیان کی، اُن سے جریر نے ھشام بن عروہ سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی، وہ اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، میں نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اُٹھاتا کہ لوگوں کے سینوں سے کھینچ کر نکال دے، اللہ تعالیٰ علم کو علماء کو اٹھا کر قبض کر لیتا ہے، یہاں تک کہ جب کوئی بھی عالم نہیں رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے، وہ ان سے (معاملات) پوچھیں گے اور وہ بغیر سمجھ بوجھ کے انہیں فتوے دیں گے، وہ خود گمراہ ہوں گے، پوچھنے والوں کو بھی گمراہی کی طرف لے جائیں گے"۔ یعنی علماء کے چلے جانے اور جاہلوں کو پیشوا بنائے جانے سے علم اٹھ جائے گا، کیونکہ جو علماء باقی تھے، ان کو مسلمانوں سے دور کر دیا گیا، چپ کروا دیا گیا یا لاپتہ کر دیا گیا، یوں امت سے شریعت کا علم بھی غائب ہو گیا۔

امت کے اندر اسلام کی سمجھ میں ضعف اور فقہی صلاحیت میں کمزوری واقع ہونے کی ابتداء تب سے ہوئی جب عربی زبان کو سیکھنے کے حوالے سے بے توجہی اور قلت اہتمام برتا جانے لگا، پھر اجتہاد کا دروازہ بند کرنے نے اس میں مزید بگاڑ پیدا کیا اور بالآخر مسلمانوں پر مغرب اور کفریہ ریاستوں کا غلبہ اور تسلط اور ان کی اتھارٹی کو ان سے چھین لینے نے اس بگاڑ میں اضافہ کیا۔ اس کے بعد کفار نے اُمت پر فکری و ثقافتی یلغار کی، اور انہوں نے باقاعدگی سے اس پر کام کیا کہ مسلم ممالک میں قائم شرعی علوم کے مدرسے اور یونیورسٹیاں علم کو اس طرح پیش کریں جیسے فلسفہ اور منطق کو پیش کرتے ہیں، یوں لوگوں کو فقہ سے متنفر کر دیا گیا۔ جبکہ اہلِ فقہ کو حقیقت سے دور کر دیا گیا۔ چنانچہ ایک فقیہ یا شیخ یا شرعی علوم کے کالج کے طالبِ علم کا علم فقط منبر اور وعظ و نصیحت تک محدود ہو کر رہ گیا، نہ کہ شرعی احکام کے نفاذ، اس کے

ذریعے تبدیلی،اور لوگوں کے امور کی دیکھ بھال کے لیے اس کو استعمال کیا جائے، جس کی وجہ سے فقہی مضبوطی بہت زیادہ زوال کا شکار ہو گئی۔اسی وجہ سے علماء کم ہوتے گئے اور مقلدین میں اضافہ ہوتا گیا۔

لیکن ایک اور مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ مقلد یہ نہیں جانتا کہ وہ علماء کی تقلید کرے تو کیسے کرے، تقلید کے ضوابط اور احکامات کیا ہیں؟اسے یہ معلوم نہیں کہ بحیثیت مقلد کے اس پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں،وہ یہ سمجھتا ہے جیسا کہ غلط العام ہے، حطها برأس عالم واطلع سالم "حکم کی ذمہ داری تو عالم کے سر پر ہے،بس درست والا تلاش کر لو"۔

تقلید کے موضوع کے حوالے سے اس دور کے مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک تعداد کو حکم الٰہی اور اس کے اوامر و نواہی کی معرفت حاصل نہیں، یا پھر اس میں باریکی میں نہیں جاتے، حد تو یہ ہے کہ وہ خود ساختہ فتوے دیتے ہیں، یوں اللہ کا حکم ان کی پسند و ناپسند اور مفادات کا تابع ہو کر رہ جاتا ہے، جب آپ ان سے پوچھیں کہ یہ کیا کرتے ہو؟ تو ان کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے "کہ اپنے دل سے پوچھو، خواہ لوگ فتوے دے چکے ہوں"، یا یہ کہ "دین میں آسانی ہے، تنگی نہیں، آپ کیوں اسے مشکل بناتے ہو"، یا "مصلحت یہ ہے اور دین لوگوں کے مصالح و مفادات کی نگرانی کرتا ہے"، یا "میری نیت صاف ہے اور دار و مدار نیت پر ہے" وغیرہ۔ یہ وہ بہانے ہیں جن سے وہ اپنے دلوں کو بہلاتے ہیں تاکہ انہیں اپنے دین اور امت کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں سے جان چھڑانے کا موقع مل سکے۔

پھر جس نے بھی دو تین کتابیں پڑھ لیں، اپنے آپ کو زمانے کا عالم اور علامہ سمجھنے لگا، گویا اس کو کسی اور کی تقلید کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کو اپنے لیے عار سمجھا گیا، یہ کہتے ہوئے کہ وہ صاحبِ علم اور فقہی اعتبار سے قابل ہے۔ چنانچہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے حوالے سے ایسے فتوے جاری کرتا ہے، جس کا اسے پتہ ہی نہیں، یوں خود بھی راہِ راست سے بھٹکتا ہے اور دوسروں کو بھی بھٹکا دیتا ہے۔ اس تناظر میں یہ ضروری تھا کہ ایسے افکار نمایاں کیے جائیں جو غیر مجتہد اشخاص کے لیے دینی احکامات لینے کے حوالے سے مشعل راہ ثابت ہوں، اللہ ہی مددگار ہے اور ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ہم اس موضوع کے حوالے سے متعدد مسائل کے بارے میں بات کریں گے:

پہلا مسئلہ: تقلید کی تعریف اور اس کا حکم

کسی کی بات پر، حجت لازم کرنے والی دلیل جانے بغیر، عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ تقلید کرنے والا شخص کسی فقہی مسئلہ میں کسی مجتہد عالم کی رائے کی اتباع کرتا ہے تاکہ وہ عالم کے کہے پر عمل کر سکے۔ چنانچہ وہ اس کے قول کی اتباع اور پیروی کرتا ہے، کیونکہ اسے یہ اعتماد ہوتا ہے کہ اس کا قول شرعی دلیل سے اخذ شدہ ہے، جس کو مجتہد عالم نے اپنے لیے حجت بنایا ہے، لیکن مقلد شخص کو مجتہد کی دلیل کا علم ہونا ضروری نہیں، یا استنباط یا اجتہاد کے طریقہ کار کا جاننا ضروری نہیں، جبکہ اسے یہ معلوم بھی نہیں کہ عالم نے کیا ذکر کیا، یاد کیا یا محفوظ کیا۔ پس مقلد شرعی دلیل سے حکم کا استنباط کیے بغیر اس پر عمل کرتا ہے۔

بلاشبہ جو شخص اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا، خواہ اس نے اجتہاد سے متعلق کچھ علوم حاصل بھی کر لیے ہوں، اُس پر بھی کسی مجتہد کی تقلید اور عملی احکامات میں اس کے فتویٰ کو ماننا لازم ہے۔ اس میں بعض معتزلہ وغیرہ نے اختلاف کیا ہے، لیکن جو ہم نے کہا ہے، اس پر ہمارے پاس شرعی نص اور اجماع صحابہ سے دلائل موجود ہیں۔

جہاں تک شرعی نص کا تعلق ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: **(فَسْـَٔلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلذِّكۡرِ إِن كُنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ) "اہل ذکر سے پوچھ لو، اگر تم نہیں جانتے ہو"** (الانبیاء: 7)۔ یہ آیت کریمہ ہر اس چیز پر لاگو ہوتی ہے جو معلوم نہ ہو۔

جہاں تک اجماع صحابہ کی بات ہے، تو صحابہ کرام کے دور میں عام مسلمان شرعی عملی احکامات میں مجتہد صحابہ سے پوچھتے تھے، مجتہد صحابہ انہیں جواب دیتے تھے، اور ایسا ہوتا کہ جواب میں فقط حکم ذکر کرتے، حکم کی دلیل ذکر نہ کرتے، سوال کرنے والے اور جواب دینے والے نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ شعبی سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے، وہ فرماتے ہیں: كَانَ سِتَّةٌ مِنَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْتُونَ النَّاسَ ابْنُ مَسْعُودٍ، وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَعَلِيٌّ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَأَبُو مُوسَى. وَكَانَ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ يَدَعُونَ قَوْلَهُمْ لِقَوْلِ ثَلَاثَةٍ، كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يَدَعُ قَوْلَهُ لِقَوْلِ عُمَرَ، وَكَانَ أَبُو مُوسَى يَدَعُ قَوْلَهُ لِقَوْلِ عَلِيٍّ، وَكَانَ زَيْدٌ يَدَعُ قَوْلَهُ لِقَوْلِ أُبَيٍّ

بْنِ كَعْبٍ "رسول اللہ ﷺ کے چھ صحابہ لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے: ابن مسعود، عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، زید بن ثابت، اُبَیّ بن کعب اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنھم اجمعین۔ تین لوگ تین لوگوں کے پیچھے اپنا قول چھوڑ دیتے تھے، عبداللہ بن مسعود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے، ابو موسیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اور زید بن ثابت ابی بن کعب کے لیے"۔ یوں صحابہ کرام کی طرف سے تقلید کے جائز ہونے پر یہ اجماع تھا۔

یہ ساری بات فروعات میں تقلید سے متعلق تھی۔ جہاں تک اصول دین یعنی عقیدے میں تقلید کی بات ہے تو یہ جائز نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **(وَمَا لَهُم بِهِۦ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ ۖ وَإِنَّ ٱلظَّنَّ لَا يُغْنِى مِنَ ٱلْحَقِّ شَيْـًٔا)"حالانکہ انہیں اس بات کا ذرا بھی علم نہیں۔ وہ محض وہم و گمان کے پیچھے چل رہے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہم و گمان حق کے مقابلے میں بالکل کارآمد نہیں"**(النجم:28)۔

دوسرا مسئلہ: مقلد پر لازم ہے کہ وہ اس شخص سے فتویٰ لے جس کے علم اور اجتہاد کی اہلیت کا اس کو پتہ ہو۔

مقلد کے لیے صرف ایسے شخص کی تقلید جائز ہے جو اجتہاد کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو، اس کے ساتھ ساتھ عادل بھی ہو۔ یہ بات کہ وہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو، تو یہ اس لیے ہے کہ کسی دوسرے کی رائے کو بغیر شرعی دلیل کے ماننا اور پیروی کرنا، یہ پیروی صرف حکم شرعی کی معرفت کے لیے کی جاتی ہے، اور حکم شرعی کی پہچان صرف اور صرف شرعی دلیل میں غور و فکر اور استدلال سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ غور و فکر مجتہد کا کام ہے، یعنی اس میں مجتہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے جس شخص سے لوگ فتویٰ مانگتے ہیں، اس کا مجتہد ہونا اور تفصیلی دلائل سے شرعی احکام کے استنباط و استخراج کا اہل ہونا ضروری ہے۔

جہاں تک عادل ہونے کا تعلق ہے، تو یہ اس لیے کہ شرعاً شہادت (گواہی) کے لیے عادل ہونا شرط ہے۔ ایک مفتی حکم شرعی بتا کر فتویٰ دیتا ہے تو یہ اس کی طرف سے گواہی ہے کہ یہی حکم شرعی ہے، جسے درست اجتہاد کی بنیاد پر اخذ کیا گیا ہے۔ اس لیے جس سے لوگ فتویٰ طلب کرتے ہیں، اس کے اندر شہادت کی شرائط یعنی عدالت وغیرہ پوری ہونی چاہیئں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے: کیا مقلد پر یہ لازم ہے کہ جس سے وہ فتویٰ طلب کرتا ہے، فتویٰ طلب کرنے سے قبل اس کی علمی حیثیت اور اجتہاد کی اہلیت یا عدالت وغیرہ کے بارے میں معلوم کرے؟

جہاں تک اجتہاد کی اہلیت کی بات ہے تو مقلد پر لازم ہے، کہ وہ سوال کرنے اور استفتاء سے پہلے اس عالم کے بارے میں پوچھے، اور یہ اس طرح کہ نیک و صالح مسلمانوں میں سے کسی سے پوچھ لے، یا اگر مقلد اجتہاد کے لیے درکار کچھ ضروری علوم سے واقف ہو، تو وہ اس عالم کی تالیفات و تصنیفات کو پڑھ لے، یا اس کے حلقہ درس میں شرکت کرے، تاکہ وہ جان سکے کہ اس عالم کا اپنی کتابوں یا علمی حلقات میں استنباط درست شرعی اجتہاد ہے یا نہیں۔ انسانی مزاج بھی اس کی تائید کرتا ہے اور موجودہ زمانے کے لوگوں کی حالت بھی یہ ہے کہ اکثر لوگ دین سے ناواقف ہوتے ہیں، اجتہاد کی قابلیت اور فتویٰ کی اہلیت نہیں رکھتے۔ تو اگر وہ مفتی کی قابلیت کے بارے میں معلوم نہیں کرے گا تو غالب گمان ہے کہ اسے وہی جواب ملے گا جو اکثریت لوگوں چھایا ہوا ہو گا۔

جہاں تک عدالت کی بات ہے تو اس کے عادل ہونے کے بارے میں پوچھنا بھی ضروری ہے، مثلاً اس کی قوم کے لوگوں سے اس کے بارے میں معلوم کرلے یا جو اس کو جانتا ہو اور اس کے اعمال و اقوال کو دیکھ کر کہ بظاہر کسی فسق میں مبتلا نہ ہو، یا کوئی ایسی چیز جو اس کی نیکی و شرافت پر بٹہ لگاتی ہو۔ بار بار چھوٹے گناہ نہ کرتا ہو، یا دیگر ایسے کام جو فقہا کے خیال میں آدمی کی عدالت سے میل نہیں کھاتے۔ ایک عالم کے عادل ہونے کو مجروح کرنے والے کام حکمران کے دروازے پر کھڑا ہونا، ان کی تعریفیں کرنا، حکمرانوں کی وجہ سے حرام کو حلال کرنا، اس قسم کے کردار کے حامل شخص پر دین میں اعتبار نہیں کیا جاتا اور اس سے فتویٰ نہیں لیا جاتا، بلکہ امت پر اس کا محاسبہ کرنا اور اس کے سامنے کھڑا ہونا ضروری ہے، امت پر لازم ہے کہ وہ اس کو دوٹوک انداز سے سمجھائیں۔

اسی بنا پر فتویٰ دینے کے لیے فقہ اکیڈمی یا دارالافتاء قائم کرنا، جبکہ لوگوں کو وہاں بیٹھے مفتی کے بارے میں کچھ پتہ نہ ہو یا جیسے ایک جماعت کسی مخصوص مسئلہ میں اجتماعی غور و خوض کرے، ایک رائے اخذ کرے پھر وہ لوگوں کو فتویٰ

دے، یہ تقلید کے اصول کے خلاف ہے، کیونکہ اس صورتحال میں مقلد لوگوں کو ان کے علم اور عادل ہونے کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا۔

تیسرا مسئلہ: ایک سے زیادہ مجتہدین کی موجودگی میں مقلد کیا کرے؟

مقلد پر یہ لازم ہے کہ مجتہدین کے درمیان ترجیح قائم کرے۔ مقلدین کیلئے ترجیحات قائم کرنے کے کئی معیار ہو سکتے ہیں، جن کی بنیاد پر مجتہدین کو ترجیح دی جاتی ہے۔ان میں سب سے زیادہ اہم معیار زیادہ علم والا ہونا ہے۔ چنانچہ مقلد مجتہدین کے درمیان جب ترجیح قائم کرتا ہے، تو وہ اس مجتہد کی تقلید کرتا ہے، جس کے بارے میں اسے اعتماد ہوتا ہے کہ وہ تمام مجتہدین سے زیادہ علم والا ہے۔ مقلد کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی خواہشات کی اتباع میں کبھی ایک عالم اور کبھی دوسرے یا کبھی ایک مجتہد اور کبھی دوسرے کی تقلید کرے، یا آسان اجتہادات کی تلاش اور ہلکے احکامات کی جستجو کرے۔ یہ درست ہے کہ مقلد کے لیے ایک الگ متعین مسئلہ میں الگ متعین مجتہد کی تقلید کی اجازت ہے، مثلاً نماز کے مسئلہ میں امام شافعی کی تقلید کرے، روزے کے مسئلہ میں ابو حنیفہ، اور حج کے مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کی تقلید کرے۔ ایسا کرنا جائز ہے بشرطیکہ مخصوص مسئلہ میں مخصوص مجتہد کو تقلید کے لیے منتخب کرنے کی وجہ اس کا یہ اعتماد ہو کہ وہ اس مسئلہ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے، نہ کہ اس کی خواہش اور سہل پسندی کی وجہ سے ہو۔

اور جیسا کہ مقلد کے لیے ہر مسئلہ میں مخصوص عالم کی تقلید کرنا جائز ہے، اسی طرح وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ دین کے تمام مسائل میں ایک ہی عالم یا مجتہد کی تقلید کرے، مثلاً وہ یہ کہے کہ "میں شافعی مذہب کی مکمل طور پر تقلید کرتا ہوں"، تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں۔

یہاں یہ بھی اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقلد ایک مسئلہ میں ایک عالم یا ایک خاص مذہب و مسلک کی تقلید کرے، تو کیا وہ اس کو چھوڑ کر کسی اور عالم کی تقلید کر سکتا ہے؟

تواس کا جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا ہر اس مسئلہ میں جائز ہوتا ہے، جس پر اس نے عمل نہ کیا ہو، مثلاً جب مقلد کہے کہ "میں نماز اور زکوۃ کے مسائل میں امام شافعی کی تقلید کروں گا"۔ پھر اس نے شافعی کے مذہب کے مطابق نماز بھی پڑھ لی، لیکن ابھی اس کے پاس اتنا مال اکٹھا نہ ہوا ہو جس پر زکوۃ فرض ہو، سو اس نے ابھی زکوۃ کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ پھر جب اس کے پاس بقدر نصاب مال آیا، اس وقت وہ یہ سمجھا کہ زکوۃ کے مسائل میں تو امام ابو حنیفہ اجتہاد پر زیادہ دسترس رکھتے ہیں، تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ زکوۃ کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی تقلید کرے۔

مگر جب مقلد کسی مسئلہ کے ساتھ اپنا عمل جوڑ دے، اور اس میں مخصوص مجتہد کی تقلید کی ہو تو پھر مقلد کیلئے دو صورتیں ہیں۔ مقلد یا تو ایسا ہو گا کہ وہ اجتہاد کے مسائل سے لاعلم ہو گا، جسے مقلد عامی کہتے ہیں، یا یہ کہ اجتہاد میں معتبر بعض علوم کو جانتا ہو گا، لیکن وہ سارے علوم جو اس کو اجتہاد کے قابل بنانے کے لیے ضروری ہیں، وہ اس کو حاصل نہیں ہیں، اسے مقلد متبع کہتے ہیں۔

جہاں تک مقلد عامی کی بات ہے، تو جب ایک عالم کے علم اور عادل ہونے پر اس نے اعتماد کیا، اور اس سے مسائل بھی اخذ کیے، تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی اور مجتہد کی طرف جائے، خواہ بعد میں دوسرے مجتہد کا زیادہ بڑا عالم ہونا اس پر واضح ہو جائے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ اجتہاد کے لیے درکار علوم سے ناواقف ہے، اس لیے وہ علماء اور ان کی استنباط کی قابلیت کے درمیان ترجیح قائم نہیں کر سکتا ہے یا کس کے بڑے عالم ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتا ہے۔ البتہ جب اس مقلد پر یہ ظاہر ہو جائے کہ مجتہد واضح فسق (گناہ) میں مبتلا ہے، یا ایسی واضح لاعلمی سامنے آجائے جو دین کے مسلمات کے بالکل خلاف ہو تو اس صورت میں مقلد پر واجب ہے کہ وہ اس عالم کی تقلید چھوڑ دے اور جس کی علم و عدالت پر اس کا اعتماد ہو، اس کی پیروی کرے۔

جہاں تک مقلد متبع کی بات ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے کہ وہ مجتہدین کے درمیان علم و معرفت میں کمی بیشی کی بنیاد پر ترجیح قائم کرے، اور بہتر سے بہترین کی تقلید کرے، کیونکہ اس کے پاس علوم اجتہاد موجود ہوتے ہیں، جن کے ذریعے

وہ علماء کے استنباطوں اور ان کے دلائل کو پرکھ سکتا ہے، یہ پرکھ صرف ترجیح کی حد تک ہوتی ہے نہ کہ استنباط کرنے کیلئے۔

چوتھا مسئلہ: موجودہ زمانے میں مجتہدین کی کمی کے مسئلے کا حل

اس زمانے میں یہ بھی ایک مسئلہ درپیش ہے کہ ایک مقلد اپنے علاقے میں مجتہد کی تلاش کرتا ہے مگر اسے کوئی مجتہد نہیں ملتا، اور معاملے میں مزید بگاڑ ان سرحدوں سے پیدا ہوا جو استعمار نے مسلمان ممالک کے درمیان قائم کی ہوئی ہیں، نیز مسلمانوں کی اقتصادی حالت ایسی بدتر ہو گئی ہے کہ ایک مسلمان کے لیے سفر کرنا اور دوسرے ممالک میں علماء اور مجتہدین کو تلاش کرنا کافی مشکل ہے۔

اس کا ایک حل ہے اور وہ یہ کہ مقلد مجتہدین کی کتابوں میں مسائل کے حل کو تلاش کرے، مثلاً امام شافعی، مالک اور النووی وغیرہ۔ اس طرح اسے اپنے مسئلے کا حل مل سکے گا، یا مسئلہ ایسے شخص سے پوچھے جو ان مذاہب کا علم رکھتا ہو یا دوسرے مجتہدین کی آراء جانتا ہو۔ لہٰذا جب وہ عالم مجتہدین کی کتابوں اور آراء میں سے جواب نقل کر کے دے گا، تو گویا سائل نے اسی مجتہد ہی کی تقلید کی جس کی رائے نقل کی گئی، یہ اس شخص کی تقلید نہیں جس نے مجتہد کا علم نقل کر کے جواب دیا۔ جواب نقل کرنے والے کا کردار اتنا ہی ہے کہ وہ مقلد کو مجتہد کی رائے سمجھا دے، یہ کوئی ممنوع امر نہیں، بشرطیکہ مقلد جواب نقل کرنے والے کی امانت داری اور عادل ہونے پر یقین رکھتا ہوں۔

پانچواں مسئلہ: ایک مقلد مخصوص مذہب کی تقلید کرتا رہا، لیکن اس کی زندگی میں اس مذہب کے علماء ناپید ہو گئے۔ تو وہ کیا کرے؟

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مقلد مکمل مذہب کی تقلید کرتا ہے، چنانچہ اس نے اس مذہب کے علماء کے استنباط کردہ بہت سے مسائل کو عملاً اختیار کیا، یا ایسے مسائل جو اس مذہب کے اصول پر اخذ کیے گئے اور ان کی تعمیل کی۔ پھر ایسے حالات آجاتے ہیں مثلاً مقلد کسی ایسی جگہ سفر کرے جہاں اس مذہب کے علماء میں سے اسے کوئی نہیں ملتا، یا اس مذہب کے

علماء ختم ہو گئے، فوت ہو گئے، تو اس مقلد پر یہ لازم ہو گا کہ وہ اسی طرح عمل جاری رکھے اور جن مسائل پر عمل کرتا رہا ہمیشہ اسی طرح کرتا رہے۔ ہاں وہ مسائل جن کو وہ ابھی زیر عمل نہیں لایا تو اگر وہ کسی اور مذہب کے علماء سے پوچھ کر ان کی تقلید کرے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ جو ہم نے اوپر بیان کیا، اس سے اس کا اختلاف نہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ وہ مسائل جن پر مقلد نے عمل کر لیا ہے، ان مسائل میں ہی مقلد کو فروعی مسائل درپیش ہو جائیں، جبکہ اس مذہب کے علماء باقی نہیں رہے، تو اس صورت میں مقلد کے پاس کوئی چارہ نہیں، سوائے اس کے کہ وہ کسی قابل اعتماد عالم سے پوچھے جو اس فرعی مسئلہ میں اجتہاد کے اہلیت سے مالا مال ہو۔

آخر میں عرض ہے کہ صرف مذکورہ بالا مسائل کو اس لیے بیان کیا کہ میری نظر میں یہ اہم مسائل ہیں جن کی ضرورت آج کے مقلدین کو پیش آتی ہے۔

(وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

فہرست

1973 کا آئین اور اس سے پھوٹنے والا نظام کفریہ اور سیکولر ہے

نوید بٹ، ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان

پاکستان کا موجودہ آئین اس جابرانہ برطانوی قانون سے چنداں مختلف نہیں جو کہ تقسیمِ ہند سے قبل نافذ تھا۔ بلاشبہ یہ برطانوی پارلیمنٹ ہی تھی جس نے اپنے 1947 کے انڈین انڈی پینڈنس ایکٹ کے تحت پاکستان کے لیے ابتدائی قوانین تیار کیے تھے۔ پاکستان نے 1956ء تک اپنا پہلا دستور تیار نہیں کیا تھا۔ یہ دستور اور اس کے بعد کے تمام آئین، جن میں 1973 کا آئین بھی شامل ہے، برطانیہ کے سیکولر قانون کے ڈھانچے پر ہی استوار کیے گئے۔

پاکستان کے آئین کا سیکولر ہونا ہر آنے والی حکومت اور منتخب نمائندگان کے لیے باعثِ شرم رہا ہے کیونکہ پاکستان کے لوگوں کو ہمیشہ یہ باور کرایا گیا ہے کہ پاکستان اسلام کی خاطر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ انگریز کے چھوڑے ہوئے استعماری نظام کو لوگوں کے لیے قابلِ قبول بنانے اور عوام کو اس نظام میں شامل کرنے کے لئے پاکستان کے حکمرانوں نے آئین میں کچھ ظاہری تبدیلیاں کیں تاکہ آئین کے سیکولر ہونے پر پردہ ڈالا جاسکے اور مخلص مگر سادہ لوح لوگوں کو یہ تاثر دیا جاسکے کہ اب یہ سیکولر آئین اسلامی آئین میں تبدیل ہو گیا ہے۔ چنانچہ دستور میں کچھ ''اسلامی دفعات'' شامل کی گئیں اور 1985 میں قراردادِ مقاصد کو آئین کا باقاعدہ حصہ بنانے کا اعلان کیا گیا۔

جہاں تک قراردادِ مقاصد کا تعلق ہے تو آئین میں اس کی شمولیت نے آئین کی سیکولر بناوٹ کو ہرگز تبدیل نہیں کیا ہے کیونکہ دراصل قراردادِ مقاصد بذاتِ خود سیکولر بنیادوں پر قانون سازی کے لیے اور غیر اسلامی قوانین کے لیے گنجائش مہیا کرتی ہے۔ قراردادِ مقاصد کا آغاز اس اعلان کے ساتھ ہوتا ہے کہ ''پوری کائنات کا اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' لیکن اگلی ہی سانس میں اللہ تعالیٰ کی اس حاکمیتِ اعلیٰ کو ''مقدس امانت'' کا نام دے کر عوام کے سپرد کر دیا گیا ہے اور عوام کی نمائندہ ''مجلسِ قانون ساز'' کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ آئین سازی کے دوران قرآن و سنت کی کوئی دلیل بیان کیے بغیر محض اپنی عقل سے قوانین بنا سکتی ہے۔ نتیجتاً قراردادِ مقاصد نے پاکستان کے عوام پر حاکمیتِ

اعلیٰ اللہ تعالیٰ سے چھین کر عملی طور پر مجلسِ قانون ساز کے سپرد کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آئین کے 280 آرٹیکلز (Articles) میں سے کسی بھی آرٹیکل کو وضع کرنے کے لیے قرآن وسنت کو دلیل نہیں بنایا گیا۔ بلکہ یہ تمام آرٹیکل قرآن وسنت سے قطع نظر محض انسانی سوچ اور فہم کا نتیجہ ہیں۔ اور انہیں اس بنیاد پر اختیار نہیں کیا گیا کہ یہ آرٹیکلز وہ قوانین ہیں جو قرآن وسنت سے اخذ ہوتے ہیں بلکہ محض اس وجہ سے کہ اسمبلی کی دو تہائی اکثریت نے انہیں دستور کے طور پر قبول کر لیا ہے اور اس دستور کی توثیق کر دی ہے۔ نتیجتاً 1973 کے آئین میں قانون کا ماخذ انسان ہے نہ کہ قرآن وسنت اور اسے اسلامی کہنا اسلام کے احکامات کے ساتھ ایک سنگین مذاق ہے۔

چنانچہ وہ بنیاد جس پر یہ آئین کھڑا ہے ایک خالصتاً سیکولر جمہوری بنیاد ہے، جس میں عوام کو اپنی مرضی سے، عوام کے لیے اور عوامی نمائندوں کے ذریعے قانون سازی کا اختیار حاصل ہے، اور اس میں قرار دادِ مقاصد اور ان دفعات میں ترمیم کرنے کا اختیار بھی شامل ہے کہ جن کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی ہیں!! البتہ آئین میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کر کے پاکستان کے اسلام پسند عوام کو خوب دھوکہ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا مقصد محض یہ ہے کہ اس نے ہمیں قانون سازی کا حق دے دیا ہے۔ چنانچہ اب ریاستی معاملات میں اللہ کا عمل دخل محدود ہے (نعوذ باللہ)، اللہ حاکمیتِ اعلیٰ کا مالک تو ہے مگر اس کی اتاری ہوئی آیت نہ تو کسی چور کا ہاتھ کٹوا سکتی ہے اور نہ سودی لین دین کو جرم بنا سکتی ہے، جب تک کہ اسمبلی میں بیٹھے ہوئے عوامی نمائندے ایسے قانون کے حق میں ہاتھ کھڑا نہ کریں۔

پھر اسلام پسند عوام، جو یہ سمجھ رہے تھے کہ یہاں شریعت نافذ ہو گی، کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ آپ کا اسلام تو تفصیلی احکامات دیتا ہی نہیں۔ اس میں تو صرف کاروبارِ ریاست چلانے کے موٹے موٹے اصول دیے گئے ہیں مثلاً حکمرانی کے امور مشاورت سے طے کرنا، اخلاقیات کی حدود میں رہنا، عدل کرنا، سچی بات کہنا، دھوکہ نہ دینا، ظلم نہ کرنا؛ اور یہ آفاقی اصول ہیں اور ہر مذہب ان کی بات کرتا ہے اور امریکہ ویورپ بھی انہی اقدار کی بات کرتے ہیں!! چنانچہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ میں بیٹھے منتخب نمائندے ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے جو بھی قانون بنائیں گے وہ اسلامی ہی ہو گا۔

قرار دادِ مقاصد میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ''موقع'' فراہم کیا جائے گا'' (muslims shall be enabled) کہ وہ اپنی زندگیاں قرآن و سنت کے مطابق گزار سکیں۔ یہاں بھی قرآن و سنت پر عمل سے انحراف کی گنجائش مہیا کی گئی ہے۔ قرار دادِ مقاصد میں مسلمانوں کے لیے اسلام پر چلنا لازم نہیں کیا گیا، بلکہ انہیں آزادیوں "freedoms" کے مغربی تصور کے مطابق اسلام پر چلنے کی آزادی دی گئی ہے۔ پس آپ چاہیں تو اسلام پر عمل کریں اور چاہیں تو کفر پر چلیں، ریاست محض موقع فراہم کرے گی کہ لوگ اپنی زندگیاں اسلام کے مطابق گزاریں۔ چنانچہ اسلامی چینلوں کے ساتھ ساتھ غیر اسلامی چینل بھی ہو سکتے ہیں، اسلامی سکولوں کے ساتھ ساتھ سیکولر سکول بھی ہو سکتے ہیں، اسلامی بینکوں (قطع نظر یہ کہ وہ حقیقتاً اسلامی ہیں یا نہیں) کے ساتھ ساتھ غیر اسلامی بینک بھی ہوں گے۔ لہٰذا آئین کی اس شق نے کفر کا راستہ کیا روکنا تھا اس نے غیر اسلامی معاشرے کے لیے چور دروازہ مہیا کر دیا ہے۔

قرار دادِ مقاصد کی ساتویں شق پاکستان کی جغرافیائی حدود کا تعین کرتے ہوئے، تمام اکائیوں کو خود مختار حیثیت دیتی ہے اور انہیں ایک فیڈریشن کی شکل میں جوڑتی ہے۔ جبکہ اسلام ریاستِ خلافت فیڈرل نظام ہر گز نہیں ہوتا جہاں وفاق کی تمام اکائیاں محض عمومی مرکزی اقتدار میں متحد ہوں جبکہ دیگر تمام حکومتی معاملات میں خود مختار ہوں، بلکہ اسلام وحدت کا نظام ہے جس میں علاقائی خود مختاری نہیں ہوتی۔ اور صوبوں پر ان کی ضروریات کے تناسب سے احکامِ شریعہ کے مطابق خرچ کیا جاتا ہے اور اس بات کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا کہ اس صوبے سے حاصل ہونے والی آمدنی کتنی ہے، جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا قرار دادِ مقاصد نے آمدن، بجٹ، ترقیاتی وسائل کی تقسیم، پانی کی تقسیم، معدنیات کی تقسیم کے مسئلے پر وفاق اور صوبوں نیز چھوٹے اور بڑے صوبوں کے درمیان کشمکش کی بنیاد رکھ دی، اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ پاکستان صوبائی حقوق اور کشمکش کی جنگ کی آگ میں جل رہا ہے۔

اور جہاں تک آئین میں ذکر کردہ اسلامی نظریاتی کونسل کا تعلق ہے تو ہم جانتے ہیں کہ آئین کے تحت اس کی حیثیت محض مشاورتی ہے۔ اس کی سفارشات اور تجاویز پر عمل کرنا ارکانِ پارلیمنٹ یا کابینہ یا حکومت پر لازم نہیں۔ پس یہ بھی عوام کو دھوکہ دینے کی ایک کوشش ہے کہ لوگوں کو یہ جتایا جائے کہ ہم نے اسلام کے مطابق قوانین کو "ڈھالنے" کے لیے علماء و مشائخ کی ایک کونسل بنا دی ہے، اب گویا اسلام نافذ ہو جائے گا۔

اسی قسم کا ایک اور دھوکہ آئین کی دفعہ 203 کے تحت فیڈرل شریعت کورٹ قائم کر کے دیا گیا ہے۔ اس عدالتؐ کا کام یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آیا کوئی قانون قرآن وسنتؐ سے متصادم تو نہیں۔ لیکن اسی دفعہ میں یہ بھی طے کر دیا گیا ہے کہ آئینِ پاکستان اس عدالت کے دائرہ اختیار میں شامل نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خود فیڈرل شریعت کورٹ کے ایک فیصلے (PLD 1992 FSC376) کا متن کچھ یوں ہے: ''کیونکہ آئین فیڈرل شریعت کورٹ کے جائزے سے خصوصی طور پر محفوظ رکھا گیا ہے لہٰذا آئین کی دفعات فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ اختیار اور jurisdiction سے باہر ہیں"۔ آئین بنانے والے حضرات چونکہ یہ جانتے تھے کہ آئین پاکستان غیر اسلامی اور سیکولر ہے، لہٰذا اسے فیڈرل کورٹ کے دائرہ اختیار سے باہر کر دیا گیا تاکہ ریاست کی سیکولر بنیادوں میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ جبکہ عام قوانین جن میں ایسے رسم ورواج بھی شامل کئے گئے جو قانون کا درجہ اختیار کر چکے ہیں، وہی عدالت کے زیر بحث آسکتے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ آئین کے تحت شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل کا حق بھی دے دیا گیا۔

درحقیقت اسلامائزیشن کا تصور ایک غلط اور شرعی لحاظ سے بے بنیاد تصور ہے۔ یہ تصور اس بات کی گنجائش فراہم کرتا ہے کہ حال میں کفریہ قوانین کے نفاذ کو اس بنا پر قبول کر لیا جائے کہ مستقبل میں انہیں آہستہ آہستہ اسلامی قوانین سے بدل دیا جائے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عطا کردہ نظام مکمل اور ہر دور کے لیے قابلِ عمل ہیں اور ان اسلامی نظاموں کو نافذ کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ موجودہ کفریہ آئین کو قرآن وسنت سے ''ہم آہنگ'' کرنے کی بے نتیجہ کوششوں کی بجائے اس آئین اور اس سے پھوٹنے والے نظام کو اُکھاڑ کر اس کی جگہ اسلامی نظامِ خلافت کو مکمل طور پر اور یک بارگی نافذ کیا جائے اور اسلام کے کسی بھی قانون کے نفاذ کو تعطل میں نہ ڈالا جائے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار ہے۔ پس تیرہ سالہ مدنی دور میں ہمیں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ اللہ کی طرف سے کسی حکم کے نازل ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کے نفاذ کو التوا میں رکھا ہو۔

جہاں تک آئین کی شق 227 کا تعلق ہے جو بیان کرتی ہے:

''ان (اسلامی) قوانین سے متصادم کوئی قانون نہیں بنایا جائیگا''

تو آج ایسی ہی شق افغانستان کے آئین میں آرٹیکل 3 اور عراق کے آئین میں آرٹیکل 2(A) کی صورت میں موجود ہے

''اسلام کے مقدس مذہب کے خلاف کوئی قانون نہیں ہو سکتا'' (افغانستان کے آئین کا آرٹیکل 3)

''کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جا سکتا جو اسلام کے اصولوں کے منافی ہو'' (عراق کے آئین کا آرٹیکل 2(A))

اور امریکہ نے ان مقبوضہ ممالک کے نئے دساتیر میں ان شقوں کو شامل کرنے کی اجازت دی کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس قسم کی شق اسلام کے نفاذ کو یقینی نہیں بناتی اور نہ ہی اس شق کو شامل کرنے سے ایک آئین مشرف بہ اسلام ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ شق اُن مصادر کو طے نہیں کرتی کہ جن سے قوانین کو اخذ کیا جائے گا۔ اور دوسری طرف اس شق میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ قرآن وسنت کے علاوہ کسی بھی ماخذ سے قوانین اخذ کئے جا سکتے ہیں اور اس قانون کے اخذ کرنے کے بعد اس کا جائزہ لیا جائیگا کہ آیا قرآن وسنت میں اس کے خلاف کوئی ممانعت وارد ہوئی ہے یا نہیں۔ جبکہ اسلامی شریعت میں ماضی کے تمام واقعات، موجودہ دور کے تمام مسائل اور آئندہ کی تمام مشکلات کے بارے میں احکامات موجود ہیں۔ پس ماضی کا کوئی واقعہ ایسا نہیں، دورِ حاضر کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں اور مستقبل میں کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہ ہوگا، جس کے متعلق شریعت میں قانون موجود نہ ہو۔ اور اسلام کو دیگر عقائد، نظریات، قوانین اور نظاموں کی پیوند کاری کی ضرورت نہیں۔ اسلام عقائد اور نظام ہائے حیات پر مبنی ایک مکمل نظریہ ہے جو اپنے پیروکاروں کو صرف وحی الٰہی کی پیروی کرنے اور باقی تمام عقائد، نظاموں اور قوانین کو رد کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ) ''اور جو کوئی بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا'' (اٰلِ عمرٰن: 85)۔ لہٰذا کسی اور نظام یا نظریے سے قوانین اخذ کر کے انہیں اسلامی نظام میں شامل کرنا حرام ہے۔ (یہ امر اُن سائنسی ایجادات اور ٹیکنالوجی سے مختلف ہے جن کا تعلق کسی خاص نظریے سے نہ

ہو جنہیں اختیار کیا جا سکتا ہے، کیونکہ سائنس اور ٹیکنالوجی عالمی چیز ہے اور یہ محض اشیاء کی ماہیت کی سمجھ ہے)۔ چنانچہ اسلامی ریاست یعنی خلافت کے آئین میں یہ دو شقیں ہوں گی:

اسلامی عقیدہ ہی ریاست کی بنیاد ہے، یعنی ریاست کی ساخت، اس کے ڈھانچے، اس کا محاسبہ یا کوئی بھی ایسی چیز جو ریاست سے متعلق ہو، وہ اسلامی عقیدے ہی کی بنیاد پر استوار ہو گی۔ دستور اور شرعی قوانین کی بنیاد بھی یہی عقیدہ ہے۔

دستور اور قوانین سے متعلق صرف اس چیز کو قبول کیا جائے گا، جو اسلامی عقیدے سے اخذ کردہ ہو۔

کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ، اجماعِ صحابہؓ اور قیاس ہی شرعی قوانین کے لیے معتبر ادلّہ ہیں

خلافت کے آئین کی یہ شقیں حکمرانوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ کسی بھی قانون کے نفاذ کے لیے قرآن و سنت کے وہ دلائل بیان کریں کہ جن کی بنا پر اس قانون کو اختیار کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس کی بدولت صرف اسلام کا نظام ہی نافذ ہوتا ہے۔

جبکہ 1973 کے آئین کی مندرجہ بالا شق کہ ''ان (اسلامی) قوانین سے متصادم کوئی قانون نہیں بنایا جائیگا'' نے حکمرانوں کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام یا اشتراکی نظام یا محض اپنی عقل سے قوانین کو اخذ کریں، جبکہ یہ ثابت کرنا کہ یہ قانون اسلام سے ''متصادم'' ہے، عوام کی ذمہ داری ٹھہرا۔ اس کی مثال ہم نے حدود آرڈیننس کے ترمیمی بل، تحفظِ حقوقِ نسواں ایکٹ، کی صورت میں دیکھی جہاں علماء کی ایک کثیر تعداد کے اسے خلافِ شریعت قرار دینے کے باوجود حکومت نے اس بل کو اکثریتی ووٹ کے ذریعے پاس کروالیا۔ اور بجائے یہ کہ حکومت خود اس بل کی ایک ایک شِق کی شرعی دلیل قرآن و سنت سے پیش کرتی اس نے یہ ذمہ داری الٹا مخالفین پر ڈال دی کہ وہ عدالت میں جا کر اس بل کے غیر اسلامی ہونے کو ثابت کریں۔

1973 کے آئین کی مندرجہ بالا شق اس غلط سوچ کی عکاسی بھی کرتی ہے کہ جس کے تحت یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہر وہ عمل جس سے اسلام نے صریحاً منع نہ کیا ہو، وہ جائز ہوتا ہے خواہ وہ کسی بھی نظام یا عقیدے سے اخذ کردہ

ہو۔ تاہم اسلام محض ممنوعہ اعمال بیان کرنے کا مجموعہ نہیں کہ وہ دنیا میں ہونے والے ہر باطل عمل، ہر غلط معاشرے ضابطے، رسم، قانون اور قائدے کی ایک ایک کر کے ممانعت بیان کرتا پھرے۔ چنانچہ دنیا میں ایسے بے شمار قوانین اور اعمال موجود ہیں جنہیں اسلام فرداً فرداً رد نہیں کرتا مگر وہ تمام بہر حال غیر اسلامی ہیں۔ مثلاً کسی بھی آیت یا حدیث میں آگ کے گرد سات پھیرے لگا کر شادی کرنے کی ممانعت صریحاً وارد نہیں ہوئی۔ لیکن اس فعل کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ نصوص میں اس عمل کو شرعاً جائز قرار دینے سے متعلق کوئی آیت یا حدیث وارد نہیں ہوئی۔ چنانچہ اسلام میں کوئی بھی عمل صرف اس وقت حلال اور جائز تصور کیا جاتا ہے اگر شریعت نے اس عمل کے کرنے کی مسلمان کو اجازت دی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے: **((ومن أَحْدَثَ فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رَدٌّ))** ''جو کوئی ہمارے حکم (دین) میں کوئی ایسا حکم (قانون) داخل کرتا ہے جو اس (دین) میں سے نہیں تو وہ (قانون) مردود ہے'' (مسلم)۔ اور فرمایا: **((من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رَدٌّ))** ''جو کوئی بھی ایک ایسا عمل کرے جس کے (کرنے سے متعلق) ہمارا حکم نہ ہو، تو وہ (عمل) مردود ہے'' (مسلم)۔ نیز فرمایا: **((كل عمل ليس عليه امرنا فهو ردٌّ))** ''ہر وہ عمل جس پر ہمارا حکم نہیں، تو وہ مردود ہے''۔ یہ احادیث ہمیں سختی سے ان تمام اعمال اور قوانین سے دور رہنے کی ہدایت کرتی ہیں جو قرآن و سنت میں وارد نہیں ہوئے۔ نیز یہ کہ کسی عمل کے بارے میں ''نہی'' کی عدم موجودگی خود بخود کسی فعل کو مباح (جائز) نہیں بنا دیتی۔

دستور کے تمام تر قوانین کا مطالعہ کیے بغیر محض اس کے عملی نفاذ سے حاصل ہونے والے ثمرات سے ہی امت یہ بات محسوس کرتی ہے کہ وہ غیر اسلامی دستور اور نظام کے تحت زندگی گزار رہی ہے۔ 1973 کا آئین ایک ایسے نظام کو جنم دیتا ہے جہاں اللہ کی حدود پامال کی جا سکتی ہیں، جہاں اللہ اور رسول ﷺ کا قانون عوامی توثیق کا محتاج ہوتا ہے، جہاں اقوام متحدہ کی قراردادیں قرآن و سنت سے بالاتر ہوتی ہیں، جہاں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے استعماری آلہ کار کی پالیسیوں کو نافذ کرنا قانونی ہوتا ہے، جہاں سود اور فحاشی حلال ہوتی ہے، جہاں انگریز کا عدالتی نظام بدستور نافذ العمل رہتا ہے، جہاں ایک ہندو ''اسلامی ریاست'' کا چیف جسٹس ہو سکتا ہے، جہاں دو عورتوں کا آپس میں بیاہ عدالت کے نزدیک کوئی جرم نہیں ہوتا، جہاں امریکہ کو لاجسٹک سپورٹ کے نام پر مسلمان بھائیوں کے قتلِ عام کے لئے اسلحہ

فراہم کرنا جائز ہوتا ہے، جہاں شریعت کا مطالبہ کرنے والوں کو دہشت گرد قرار دے کر بارود اور فاسفورس سے بھون دیا جاتا ہے، جہاں ڈارون کی کفریہ تھیوریاں معصوم ذہنوں پر نقش کی جاتی ہیں، جہاں اسلام کا دشمن محفوظ اور مومن غیر محفوظ ہوتا ہے، جہاں ''مفاہمت'' کے نام پر لٹیرے اور قاتل حکمران بنادئے جاتے ہیں۔ کیا پھر بھی ایسے آئین اور اس سے پھوٹنے والے نظام کو کوئی ذی شعور شخص اسلامی قرار دے سکتا ہے؟

پاکستان کے جمہوری نظام میں شامل ہونا یا اس کفریہ نظام کو بچانے کے لئے مدد فراہم کرنا حرام ہے:

مندرجہ بالا بحث سے یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ پاکستان میں رائج جمہوری نظام غیر اسلامی ہے کیونکہ یہ قرآن و سنت سے اخذ کردہ نہیں بلکہ یہ اپنی بنیاد، اساس اور تفصیلات میں اسلام سے متناقض ہے۔ لہٰذا اس میں شامل ہونا، اس کی طرف بلانا اور اس کو قائم رکھنے کے لئے مدد فراہم کرنا حرام ہے۔ نظام میں حصہ لینے سے مراد اس کفریہ نظام میں حکمرانی کے عہدے اور وزارتیں قبول کر کے کفر نافذ کرنا یا قوانین بنانے کے عمل کا حصہ بننا ہے مثلاً پارلیمنٹ میں بیٹھ کر قوانین بنانے کے عمل میں رائے شماری میں حصہ لے کر اس پراسس process کو قانونی حیثیت فراہم کرنا۔ کیونکہ اسلام میں قانون ساز صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہے اور عوام کا منتخب کردہ خلیفہ قرآن و سنت کے قوانین کو نافذ کرنے کا پابند ہوتا ہے اور وہ اللہ کے قانون میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **(اِنِ الْحُكْمُ اِلَّالِلّٰهِ) ''حکم تو صرف اللہ کا ہے۔''** (سورۃ یوسف: 40)۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علاوہ کسی اور قانون کی طرف رجوع کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد فرمایا: **(أَفَحُكْمَ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ) ''کیا یہ دورِ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، جبکہ اللہ سے بہتر فیصلہ دینے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں''** (المائدہ: 50)۔ اور فرمایا: **(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُواْ فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيمًا) ''اے محمد ﷺ! آپ کے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ آپ ﷺ کو اپنے تمام تر اختلافات میں فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں، پھر جب آپ ﷺ فیصلہ کریں تو یہ اپنے اندر کوئی گرانی محسوس نہ کریں، بلکہ ان فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں''** (النساء: 65)۔ اور اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علاوہ کسی بھی قانون کو نافذ

کرنے اور اس کے ذریعے حکمرانی کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے، ارشاد فرمایا: **(وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ)** **"اور جو شخص بھی اس کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے حکمرانی نہ کرے، تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں"** (المائدہ: 44)۔ اور فرمایا: **(وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ)** **"اور جو شخص بھی اس کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے حکمرانی نہ کرے، تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں"** (المائدہ: 45)۔ اور فرمایا: **(وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ)** **"اور جو شخص بھی اس کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے حکمرانی نہ کرے، تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں"** (المائدہ: 47)۔

اس نظام کو برقرار رکھنے کی کوشش کرنا یا اس نظام کو برقرار رکھنے میں مدد فراہم کرنا بھی حرام ہے کیونکہ اسلام ہمیں منکر کے کاموں میں مدد اور تعاون فراہم کرنے سے منع فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **(وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الإِ ثْمِ وَالْعُدْوٰنِ وَاتَّقُوْا اللَّهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ)** **"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد مت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے"** (المائدہ: 2)۔ اور کفریہ نظام کو نافذ کرنے یا اسے برقرار رکھنے میں مدد فراہم کرنا ایک عظیم منکر ہے۔

اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ پاکستان کے ریاستی اداروں مثلاً فوج یا بجلی، ٹیلی فون وغیرہ کے محکموں میں شامل ہونا حرام ہے۔ ہاں البتہ اگر حکومت انہیں غیر شرعی عمل کرنے کا حکم دے مثلاً وانا میں اپنے ہی مسلمانوں کا قتلِ عام یا اسلام کی داعیوں کے فون ٹیپ کرنا وغیرہ تو ان احکامات کو سرانجام دینا ان کے لئے حرام ہے۔ لیکن ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کرنے یا لوگوں کو عوامی سہولیات پہنچانے جیسے اعمال شرعاً جائز ہیں اور ان جائز اعمال کے لئے ان اداروں میں شمولیت اختیار کرنا نظامِ حکومت کا حصہ بننے کے زمرے میں نہیں آتا۔

جہاں تک اس جمہوری نظام میں ووٹ ڈالنے کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ووٹ ڈالنا محض اپنا نمائندہ چننے کا ایک اسلوب ہے۔ اس کے علاوہ اسے کوئی اور تعبیر دینا ووٹ کی حقیقت کے منافی ہے۔ اسلام کسی بھی حلال عمل کے لئے اپنا نمائندہ یا وکیل چننے کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن اگر یہ وکیل کسی حرام عمل کے لئے چنا جارہا ہو تو پھر اس چناؤ کا عمل بھی حرام ہی ٹھہرے گا۔ مثلاً ایک قطعہ اراضی کو بیچنے کے لئے ایک شخص اپنے دوست یا کسی بھی عاقل، بالغ مسلمان کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے اور وکالت کا یہ عقد شرعی طور پر جائز تصور کیا جائیگا۔ لیکن اگر ایک شخص اسی دوست یا معتمد شخص کو شراب بیچنے یا کسی کو دھوکہ دینے کے لئے اپنا وکیل یا نمائندہ بناتا ہے تو یہ عقد شرعی طور پر حرام قرار پائیگا کیونکہ یہ عقد ایک حرام عمل کو سرانجام دینے کے لئے کیا جارہا ہے۔ موجودہ جمہوری نظام میں ووٹ ڈالنے کا بھی یہی معاملہ ہے۔ پاکستان کے جمہوری نظام کے مطابق عوامی نمائندے قانون ساز اسمبلی میں جاکر قانون سازی کرتے ہیں، وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے ہیں، حدود آرڈیننس میں تبدیلی اور سترھویں ترمیم کے ذریعے امریکہ کو افغانستان میں مدد فراہم کرنے کو قانونی تحفظ دینا اس کی حالیہ مثالیں ہیں، نیز وہ حکومتی عہدے اور وزارتیں قبول کرکے کفریہ قوانین کو نافذ کرتے ہیں، یہ سب حرام اعمال ہیں۔ ایسے میں ان کو اپنا نمائندہ بنانا یا انہیں اسمبلیوں تک پہنچانے کے لئے ان کی معاونت کرنا بھی حرام عمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انسان کو قانون سازی کے منصب پر فائز کرنے سے سختی سے منع فرمایا، نیز آپ ﷺ نے اس امر کو بھی حرام ٹھہرایا کہ عوام انسانوں کے وضع کردہ حلال و حرام کے دائرہ کی اتباع کریں۔ جب آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: **(اِتَّخَذُوٓا أَحْبَارَ ہُمْ وَ رُہْبٰنَہُمْ أَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِیَعْبُدُوٓا إِلٰہًا وَاحِداً لَّا إِلٰہَ إِلَّا ہُوَ سُبْحٰنَہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ)** ''انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کی بجائے رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، جبکہ ان کو حکم ہوا تھا کہ وہ صرف ایک معبود یعنی اللہ کی بندگی کریں، اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے'' (التوبۃ: 31) تو عدی ابن حاتم نے، جو اس وقت تک عیسائی تھے، اعتراض اٹھایا کہ عیسایوں نے کبھی اپنے راہبوں اور مشائخ کی پرستش نہیں کی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: **''ہاں (انہوں نے ان کی پرستش کی)، ان راہبوں نے حلال کو حرام بنالیا اور حرام کو حلال بنالیا اور لوگوں نے ان کی اتباع کی۔ یہی ان کو معبود بنانا ہے''**۔ اس کے بعد عدی

بن حاتم مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ جو اللہ کی بجائے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر رہا ہو در حقیقت وہ اپنے آپ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا استحقاق دے رہا ہوتا ہے اور وہ لوگ جو ایسے میں ان کی اتباع کرتے ہیں در حقیقت ایک گناہِ عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

لہٰذا واضح ہوا کہ موجودہ نظام میں ووٹ ڈال کر حکمران چننا جو کفر سے حکومت کریں یا ایسے نمائندے چننا جو اسمبلیوں میں جا کر قانون سازی کے عمل میں حصہ لیں شرعاً حرام ہے کیونکہ ایسا کرنا کفر کے نفاذ یا قانون سازی جیسے حرام عمل میں معاونت کرنا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ان کی نیت قانون سازی کے بارے میں کیا ہے۔ یعنی چاہے وہ امیدوار اسمبلی میں جا کر اسلام کے مطابق قانون سازی کا خواہاں ہو یا اس کے خلاف۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوری نظام میں قانون سازی کرنے کا طریقہ کار ہی خلافِ شریعت ہے جس میں اللہ کے قوانین کو بھی عوامی اکثریت کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے اور اگر اکثریت قبول کر لے تو تب ہی اللہ کے حکم کو ملکی قانون بننے کا ''شرف'' حاصل ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اللہ کے قانون پر کفر کے قانون کو ترجیح دی جاتی ہے۔

البتہ صرف ایک صورت میں موجودہ جمہوری نظام میں ووٹ ڈالنے کی اجازت ہے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ جب ایک امیدوار علی الاعلان اس بات کا اظہار کرے کہ وہ اس جمہوری نظام کو کفر سمجھتا ہے اور وہ اسمبلی میں جا کر کسی قسم کی قانون سازی نہیں کریگا اور نہ ہی کسی ایسے شخص کے انتخاب میں حصہ لے گا جو قانون سازی کرے اور نہ ہی کوئی وزارت اور حکمرانی کا کوئی بھی عہدہ قبول کرے گا۔ نیز یہ کہ اسمبلی میں جانے کا مقصد محض اس کفریہ نظام کے خلاف کلمۂ حق بلند کرنا اور حکمرانوں کا محاسبہ کرنا ہے۔ اس اعلان کے بعد اب وہ مسلمانوں سے ووٹ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ نیز عوام کا ووٹ ڈال کر اسے اپنے نمائندے کے طور اسمبلی میں بھیجنا شرعاً حلال ہو گا، جو اُن کا وکیل بن کر اسمبلی میں اس کفر نظام کے خلاف آواز بلند کریگا اور حکمرانوں کا محاسبہ کریگا۔ لیکن جہاں تک عملی صورتِ حال کا تعلق ہے تو آج کوئی بھی منتخب شدہ نمائندہ اس وقت تک اسمبلی کا ممبر نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اس آئین کی پاس داری کا حلف نہ اٹھائے جو کفر پر مبنی ہے۔ لہٰذا اسلام کی رو سے اس قانون ساز اسمبلی کا حصہ بننے کی عملاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ فہرست

کفار سے مبارک بادوں کے تبادلے کا جواز آخر کب ختم ہوگا؟!

سعید فضل

آجکل ہر سال عیسائیوں کے تہواروں پر انہیں مبارک باد دینے کے حوالے سے اُن لوگوں کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے جو اسے جائز سمجھتے ہیں اور وہ جو اس سے منع کرتے ہیں، اور اُن کے درمیان جو اس کی حمایت کرتے ہیں یا مخالفت کرتے ہیں۔ مصر کے مفتیٔ اعظم اور جامعۂ الاظہر کے شیخ، اس طبقے کی طرفداری کرتے ہیں جو عیسائیوں کو مبارک باد دینا جائز سمجھتا ہے اور اِس پر حکومتِ وقت اور اس کے سربراہ کی جانب سے جاری کئے گئے بلاواسطہ احکامات سے اس عمل کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔ 10 دسمبر، 2021 کو صدا البلاد چینل پر نشر کئے جانے والے اور صحافی حامدی رزک کے پیش کردہ ایک ناظرہ پروگرام میں ان کے انٹرویو کے دوران شیخ نے کہا کہ عیسائیوں کو مبارک باد دینا جائز ہے اور اس کی ممانعت نہیں ہے، اور یہ کہ عیسیٰؑ کے یومِ پیدائش کے حوالے سے نئے سال کا جشن منانا جائز ہے۔

جمعرات، 13 دسمبر، 2021 کو جامعۂ الاظہر کے شیخ نے اسکندریہ کے پادری، پوپ ٹاواڈروس (Pope Tawadros, Pope of Alexandria) کو فون پر نئے سال کی مبارک باد دی، روزنامہ الیوم الصابی میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق شیخ الاظہر نے پریس بیانیے میں تصدیق کی کہ ایسے بیانات پائے جاتے ہیں کہ اسلام لوگوں کے اذہان کو بدلنا چاہتا ہے، انہیں گمراہ کرنا چاہتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ روزمرہ زندگی میں کیسے رہنا ہے۔ یہ عیسائیوں کو ان کے تہوار اور دیگر رسومات، جنہیں میں روحانی پیشوائیت یا پاپائیت کہوں گا، اس پر مبارک باد دینے سے منع کرتا ہے جبکہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ جمعرات، 23 دسمبر، 2021 کو، الیوم الصابی نے مفتیٔ اعظم کا یہ حتمی موقف بھی بیان کیا کہ کسی مسلمان کی جانب سے غیر مسلم کو ان کے تہوار پر مبارک باد دینا ایک ضروری اور خوش آئند امر ہے اور اپنے اسی بیان کو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا، "لہٰذا ان فتاوٰی میں ہم سماجی استحکام اور ایک ہی معاشرہ کے ارکان کے مابین ہم آہنگی کے حصول پر بھروسہ کرتے ہیں، چنانچہ ہم یہاں مصر کے دارالافتاء سے کہتے ہیں

کہ یہ ایک بڑی چھتری ہے جسے فتاوٰی کے مسائل کو کنٹرول کرنا چاہئے۔اس چھتری کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں سماجی استحکام ہو اور تمام فتاوٰی اسی مقصد کے حصول کے مطابق طے ہوں۔

عیسائیوں کو مبارک باد دینے کا جواز اور اس پر اجر سمجھنے کے اِس بیانیے کا دعوٰی صرف شیخ الازہر نے ہی نہیں کیا بلکہ یہ ان مصری علما کا بھی موقف ہے جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور اُن تمام علما کا بھی جو اُس کٹھ پتلی حکومت کے ساتھ وابستہ ہیں جو مغرب میں اپنے آقاؤں کا قُرب حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ واضح ہے کہ وہ اپنے بیانات کی بنیاد حکمِ شرعی کو نہیں بناتے بلکہ خالصتاً اپنی عقل کو یا اس گمراہ کن فہم کو بنیاد بناتے ہیں جو ان تہواروں کی بنیاد اور ان کے منانے کی حقیقت کی وضاحت کئے بغیر اس موضوع سے غیر متعلقہ دلائل کو توڑ مروڑ کر حاصل کیا جاتا ہے۔ حق کی وضاحت کرنے اور اسے لوگوں کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے یہ تفصیل بیان کرنا لازم ہے کہ اس دن کی غیر مسلموں کے نزدیک کیا حقیقت ہے اور آیا کہ اس میں شمولیت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟ اور آخر میں یہ کہ یہ معاملہ ہر سال، خصوصاً حالیہ دور میں، بار بار کیوں اٹھایا جاتا ہے؟

اس دن (کرسمس) اور اس کے منانے کی حقیقت سے متعلق کم از کم اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ عیسائیوں کے دعوٰی کے مطابق، عیسائی اس دن کو خداوند یا اس کے بیٹے کی پیدائش کا دن سمجھتے ہیں جو کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی کے نزدیک عظیم اور کبیرہ گناہ ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَداً * لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً إِدّاً * تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدّاً * أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَداً * وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَداً﴾

"اور وہ کہتے ہیں، رحمٰن نے اپنے لئے بیٹا بنا لیا ہے، یقیناً تم ایک سخت بیہودہ بات گھڑ لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے بیٹا تجویز کیا اور رحمٰن کو یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے" (مریم:88-92)

لہٰذا، عیسائیوں کو اس دن کی محض مبارک باد دینا ہی اس بات کی تصدیق کرنا ہے جس کا وہ دعوٰی کرتے ہیں؛ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ بیٹے کی نسبت جوڑنا اور جو لوگ یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ اللہ کا ایک بیٹا ہے، ان کے ساتھ اس جُرمِ عظیم کے تہواروں میں شمولیت ایک ایسا گناہِ عظیم ہے کہ جس سے آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہو جائے ۔(أحكام أهل الذمة) میں ابن قیم کہتے ہیں،

(وأما التهنئة بشعائر الكفر المختصة به فحرام بالاتفاق، مثل أن يهنئهم بأعيادهم وصومهم، فيقول: عيد مبارك عليك، أو تهنأ بهذا العيد ونحوه، فهذا إن سلم قائله من الكفر فهو من المحرمات، وهو بمنزلة أن يهنئه بسجوده للصليب، بل ذلك أعظم إثماً عند الله، وأشد مقتاً من التهنئة بشرب الخمر وقتل النفس وارتكاب الفرج الحرام ونحوه. وكثير ممن لا قدر للدين عنده يقع في ذلك، ولا يدري قبح ما فعل، فمن هنأ عبداً بمعصية أو بدعة أو كفر فقد تعرض لمقت الله وسخطه)

" جہاں تک کفار کے مخصوص مذہبی رسومات، جیسا کہ ان کے تہوار اور روزہ، میں انہیں یہ کہہ کر کہ: آپ کو عید مبارک ہو یا اس موقع پر انہیں مبارک باد دینا، تو اس پر مجموعی اتفاق ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کہنے پر کافر ہونے سے بچ بھی جائے تب بھی اس نے ایک حرام عمل کا ارتکاب کیا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے انہیں صلیب کو سجدہ کرنے پر مبارک باد دینا جو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک شرکِ عظیم ہے اور یہ شراب پینے، کسی معصوم کو قتل کرنے، زنا کا ارتکاب کرنے یا ان جیسے کسی اور قبیح فعل سے بھی زیادہ سنگین ہے اور ان میں سے بہت سے لوگ جو دین کو اہمیت نہیں دیتے، اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور نہ ہی انہیں یہ علم ہوتا ہے کہ وہ کس قبیح فعل کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کوئی ایسا شخص جو دوسرے شخص کو گناہ، بدعت یا کفر کرنے پر مبارک باد دے تو اس نے اپنے آپ کو اللہ کے غضب اور قہر کا حقدار ٹھہرالیا"۔

ثابت بن الذحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک شخص آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ اس نے بوانہ پر اونٹ قربان کرنے کی منت مانگی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: **«هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟»**، **"کیا اسلام سے پہلے، اس جگہ پر عبادت کے لئے بت رکھے جاتے تھے؟"** اور آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ نہیں، ایسا نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: **«هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ**

أَعْيَادِهِمْ؟» **"کیا وہاں اسلام سے پہلے کے کوئی رسومات و تہوار منعقد کئے جاتے تھے؟"** اور آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ ایسا بھی کچھ نہیں ہوتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے اس آدمی سے کہا: **«أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»** **"اپنی منت پوری کرو اور ایسی منت ہر گز پوری نہ کرو جس میں اللہ کی نافرمانی ہو، نہ ہی ایسا کچھ عمل کرو جس پر انسان کا کچھ اختیار نہ ہو"**۔ یہ حدیث ابو داؤد سے مروی ہے اور دو صحیح (کتابوں) میں موجود ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ملتی ہے کہ بت پرستوں کے جشن منانے کی جگہ پر قربانی کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ »" ایسی نذر ہر گز پوری نہ کرو جس میں اللہ کی نافرمانی ہو"**۔

عبداللہ بن عمر بن العاص ؓ فرماتے ہیں: "جو کوئی بھی غیر عرب (کفار) کے علاقوں کی پیروی کرتا ہو اور ان کے نوروز اور دیگر تہواروں کی نقالی کرتا ہو اور ان کی تقلید کرتا ہو حتیٰ کہ وہ مر جائے تو وہ ایسے ہو گا کہ وہ روزِ قیامت انہی میں سے اُٹھایا جائے گا"۔

امیر المومنین، عمر بن خطاب ؓ، صحابہ کرام ؓ اور مسلمانوں کے آئمہ کرام کی یہی رائے ہے کہ کفار کو مسلمانوں کی سرزمینوں پر اپنے تہوار کھلے عام نہیں منانے چاہئیں البتہ وہ اپنے گھروں کے اندر چھُپ کر یہ منا سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کفار کو مبارک باد دیتا ہے تو اس نے نہ صرف شرعی دلیل کی خلاف ورزی کی بلکہ اس کی بھی جو معزز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے تھی۔ نہ ہی وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کفار سے شفقت کرنے کا معاملہ ہے اور باعثِ مروّت ہے یا یہ کہ وہ بھی ہمارے تہواروں میں شمولیت کرتے ہیں اور ہمیں مبارک باد دیتے ہیں جسے ہمیں لوٹانا چاہیے۔ کفار سے نرمی اور شفقت یہ نہیں کہ ان کے کفر، شرک اور گمراہی پر رضامندی ظاہر کی جائے بلکہ شفقت تو یہ ہے کہ انہیں نصیحت کی جائے اور انہیں اُس حق کی دعوت دی جائے جس کے ہم پیروکار ہیں، یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین میں داخل ہونے اور روزِ قیامت اللہ کے غضب سے بچنے کی دعوت دی جائے۔ یہی ان کفار کے حق میں نرمی اور شفقت کی انتہا ہو گی۔

جہاں تک کفار کو مبارک باد دینے کا تعلق ہے، اس بات سے بھی بڑھ کر کہ یہ ان کے اس باطل پن کا اعتراف کرنا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں، یہ ان کو دھوکے میں مبتلا رکھنا ہے، گمراہ کرنا ہے اور ابدی جہنم کی آگ کی طرف بلانا ہے۔ ان (کفار) سے مبارک بادوں کا تبادلہ اور ہمارے تہواروں میں ان کی شمولیت باطل میں ڈوب جانے سے نہیں ہونی چاہیے بلکہ ان کی گمراہی سے الگ ہو کر اور اس سے پاک ہو کر رہنے کے ذریعے ہونی چاہئے، ایک واضح علیحدگی جو انہیں درست سمت میں غور کرنے پر مجبور کرے اور وہ اس سے حق کے لئے رہنمائی حاصل کریں۔ اسی طرح سے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام کی تعمیل ہوتی ہے۔

﴿لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾

"اللہ تمہیں اُن لوگوں کے بارے میں منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ ان سے بھلائی کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو۔ بے شک، اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے" (الممتحنہ: 8)

اس قسم کے جھوٹے فتوے کبھی منظرِ عام پر نہ آتے اور ہمیں ان کا جواب دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی اگر اسلام ایک ریاست کی شکل میں موجود ہوتا، جو ریاست اسلامی سرزمینوں پر اسلام کے احکامات نافذ کرتی تاکہ وہ مسلم و غیر مسلم کو اپنے عدل وانصاف کے سایہ تلے محفوظ کرلے اور ہر طرح کی طبقہ بندی اور فرقہ واریت اور ہر اس محرک شے کو ختم کرتی جو کہ ایسی گروہ بندی کا باعث بنتا ہے اور اس کے لئے ماحول کو سازگار کرتا ہے۔ عیسائی اور ہم (مسلمان) مصر میں اور تمام مسلم علاقوں میں صدیوں تک اکٹھے رہے ہیں اور ہمیں ایسے معاملات اُٹھانے یا ایسے فتووں پر بات کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ ہر شخص، اسلامی ریاست سے متعلق اپنے حقوق وفرائض سے آگاہ تھا جو کہ کسی رنگ، نسل، مذہب یا فرقہ کی تفریق سے بالاتر ہو کر ہر کسی کا خیال رکھتی تھی، اور ایسے مسائل کو پروان چڑھا کر اور لوگوں کو ان میں اُلجھا کر اس سے فائدہ اٹھانے والا یہ اکیلا مغرب ہی ہے جو کہ ایسی اوچھی حرکتوں سے امت کو اس کے اصل مقصد سے

گمراہ اور بھٹکانا چاہتا ہے، یعنی اس مقصد سے جس سے اس کی عزت و قار بحال ہو، جو نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کی واپسی اور اس کے ذریعے اسلامی طرزِ زندگی کو بحال کرنا ہے۔ اور یہی وہ واحد راستہ ہے جو اس تنازعے کو ختم کرے گا اور اسے مزید بھڑکانے کی مغرب کی کوششوں کو مایوس کر دے گا۔

نتیجہ امت کے مخلص بیٹوں کے ہاتھ میں ہے بالخصوص ہماری افواج میں موجود بیٹے، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے پاس قوت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو امت کے لئے وہ فتح و کامیابی لانے کے اہل ہیں جو اسے اس کی شان کے مطابق ایک ریاست قائم کرنے کے قابل بنائیں۔ یعنی، وہ خلافت جس کا قیام مغرب کو شیطان کی سرگوشیاں بھلا دے گا۔ تو کون ہے جو صحیح معنوں میں رسول اللہ ﷺ کا علم بلند کرے گا؟ اور اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس دین کو سربلند کرتے ہوئے اسے دوبارہ قائم کرنے میں مدد کرے گا؟

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَجِيبُواْ لِلّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُم لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾

"اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔ اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے اور یہ کہ تم سب اُسی کے روبرو جمع کئے جاؤ گے "(الانفال:24)

فہرست

اخلاقیات کے بعد کیا ہے؟

لطفی بن محمد۔ ملیشیاء

15 سالہاسال سے یہ صورتِ حال ہمارے سامنے ہے کہ مذہبی تقاریر کو اخلاقیات کی دعوت تک محدود رکھا جاتا ہے، خصوصاً وہ باضابطہ تقاریر جن کو میڈیا پر نشر کرنے کی اجازت دی جاتی ہے اور اخلاقیات کا تعلق تمام معاملات سے جوڑا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں جس مسئلے کی تشخیص کی گئی وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اخلاق زوال کا شکار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ یہ دعوٰی کیا جاتا ہے کہ اخلاقیات کی طرف دعوت دینااور اسے اسلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ بنانا یقینی طور پر مسلمانوں کی حالت کو بدل دے گا۔ اس بنیاد پر پے در پے کانفرنسیں کی گئی اور کتابیں چھاپ کر مفت تقسیم کی گئی۔ یہ سب اسلامی اخلاقیات کو بحال کرنے اور ان کو مسلمانوں کے اعمال کی بنیاد بنانے کے لیے کیا گیا۔ اخلاقیات پر مبنی مضامین اور ادب کو معاشرتی اور علمی علوم کی سٹڈی میں شامل کیا گیا، حتیٰ کہ یونیورسٹیوں میں اخلاقی موضوعات کو نصاب کے طور پر شامل کیا گیا۔ انھوں نے اخلاقیات کو دین اور دنیا میں تقسیم کیا۔ انھوں نے تمام مذاہب میں اخلاقی سوچ کے تقابل کی بات کی، اور دعویٰ کیا کہ اخلاقیات ہی تمام مذاہب کی سب سے اہم قدرِ مشترک ہے۔ انھوں نے ہر پلیٹ فارم کو رسول اللہ ﷺ کے اخلاق اور اقدار پر تقاریر کے لیے استعمال کیا، اس بنا پر کہ آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کے حامل اور رواداری و درگزر والی شخصیت تھے، اور آپ ﷺ کا پیغام جاہلیت کے دور میں موجود اخلاقیات کو درست و کامل بنانے کے لیے تھا اور اسلام ایک اخلاقی تحریک پیدا کرنے اور اخلاقیات کو ربانی رنگ دینے کے لیے تھا۔

غور طلب بات ہے کہ اخلاقیات کی دعوت میں مبالغہ آرائی پیدا کر کے بہت سی حکومتیں اسے اپنے لیے استعمال کر رہی ہیں جہاں اس کے لیے بہت سے سرکاری اور نجی مواقع قائم کیے گئے ہیں۔ لیکن ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس طرزِ عمل کو ایک تنقیدی نظر اور مکمل آگہی سے دیکھیں، خصوصاً جب ہم امت میں اخلاقیات کے زوال سے متعلق دردناک واقعات سنتے ہیں۔ ہمارے معاشی مسائل بڑھ چکے ہیں، غربت میں اضافہ ہو گیا ہے، زمینوں پر اغیار کا قبضہ

ہے، جہالت اور کرپشن عام ہو چکی ہے، چاہے اخلاقیات میں ہو یا تنظیم و ادارہ میں یا سیاست میں یا پھر خاندانوں میں۔ بہت سی اقدار ختم ہو چکی ہیں اور اسلام اپنے ہی علاقوں میں اجنبی ہو گیا ہے اور بیوقوف لوگ ہماری طرف سے بولنے لگے ہیں۔ یہ سب کچھ ان لوگوں کی تمام تر کوششوں کے کے باوجود ہوا جو اخلاقی طریقے کی دعوت دیتے ہیں، چاہے وہ ایسا اخلاص کے ساتھ کریں یا عدم اخلاص کے ساتھ۔ اس طرزِ دعوت پر بحث کرنے اور اس کے فوائد و نقصانات بیان کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مختلف پہلوؤں کو پر نظر ڈالی جائے تاکہ ذہن میں موجود شکوک دور ہو سکیں اور اس کے بارے میں تصورات درست ہو سکیں۔

فیروز آبادی نے خُلق کی تعریف یوں کی ہے: میلان، اندرونی فطرت، انسانیت اور طرزِ زندگی۔ ماہرینِ زبان لفظ خَلق اور خُلق میں فرق کرتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں، والخَلْق والخُلْق في الأصل واحد كالشَّرب والشُّرب، والصَّرم والصُّرم، لكن خُصَّ الخَلْق بالهيئات والأشكال والصور المُدرَكة بالبصر، وخُصَّ الخُلْق بالقوى والسجايا المُدرَكة بالبصيرة "خَلق اور خُلق کی اصل ایک ہی ہے جیسے شَرب اور شُرب (پینا) یا صَرم اور صُرم (قطع و برید کرنا)۔ لیکن لفظ خَلق ہیئت، اشکال اور تصاویر کی طرف اشارہ کرتا ہے جنہیں دیکھا جا سکتا ہے جبکہ لفظ خُلق اس طاقت و نفسیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو باطن و بصیرت سے پرکھی جاتی ہے"۔ جہاں تک شرعی تعریف کا تعلق ہے، تو لفظ خُلق قرآن میں اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے جو اپنے لفظی معنی کے مخالف نہیں۔ خُلق دو مرتبہ قرآن میں آیا ہے۔ پہلی آیت ہے،

اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الۡاَوَّلِيۡنَۙ

"یہ تو بس پہلے لوگوں کی ایک عادت ہے" (الشعراء: 137)

ابنِ عباسؓ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہاں لفظ خُلق سے مراد ہے ان (پہلے لوگوں) کا مذہب، روایات، اخلاق اور طرزِ زندگی۔ دوسری آیت رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کرتی ہے،

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ

"اور بے شک آپ ﷺ تو بڑے ہی خوش خلق ہیں" (القلم:4)

امام طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، "اللہ تعالیٰ یہاں نبی ﷺ کو یہ یاد کروا رہے ہیں کہ اے محمد! بے شک آپ ادب کے عظیم مرتبے پر ہیں اور یہ قرآن کا ادب ہے جس کے ذریعے آپ کو ادب سکھایا گیا یعنی اسلام اور شریعت۔ ہم اور تفسیر کے علماء اس کے متعلق یہی کہتے ہیں"۔ اور ابنِ عباس، مجاہد، ابن زید اور ضحاک نے آیت **(خُلُقٍ عَظِيمٍ)** کے متعلق اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے: دینِ عظیم۔

سنت میں خُلق متعدد روایات میں کئی معنی میں آیا ہے جن کا یہاں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے خُلق کو ایسے بیان کیا، **كان خُلُقه القرآن "آپ ﷺ کا خُلق قرآن ہے"** (احمد)۔ مسلم نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **البِرُّ حُسْنُ الخُلُق "نیکی اچھا اخلاق ہے"**۔

اصطلاحاً، طاہر بن عاشور نے اخلاق کی تعریف ایسے اوصاف کے طور پر کی ہے جو کسی شخص کی ذات میں اچھی طرح پیوست ہوں اور اچھائی اور برائی کے لحاظ سے اعمال کو جنم دیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ خُلق حسن ہے اور اس کے علاوہ سب قبح ہے۔ شیخ تقی الدین النبھانی نے اخلاق کو فرد کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ اخلاق ان احکام میں سے ہیں جو انسان کے خود اپنے ساتھ تعلق استوار کرتے ہیں، جیسا کہ لباس اور کھانے پینے کے احکام۔ چونکہ شریعت بہت سے احکام دیتی ہے اور ان پر چلنے کا کہتی ہیں، اخلاق سے متعلق احکام بھی اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی ہی ہیں، جن میں اور دوسرے احکام میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ فقہاء نے اپنی کتابوں میں اخلاقیات کے الگ باب نہیں رکھے، کیونکہ وہ انہیں شریعت ہی کا ایک حصہ سمجھتے تھے، یعنی ایسے اوامر جن کی بجاآوری لازم ہے۔ لہٰذا معاشرے میں اخلاقیات کو عملی طور پر وجود میں لانے کے لیے عمومی طور پر اسلامی جذبات و احساسات اور اسلام کے نظاموں کو وجود بخشنے کی ضرورت ہے۔

اسلامی معاشرہ ایک انسانی تشکیل ہے جو ایک مخصوص طرز زندگی پر چلتا ہے جو افکار، جذبات اور نظام پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں روحانی پہلو تمام معاملات میں عقیدۂ اسلام سے جڑا ہوتا ہے۔ اسلام نے معاشرے میں اعلیٰ اقدار کی حفاظت کے لیے زندگی کے تمام معاملات میں فرد اور معاشرے کی رہنمائی کی ہے۔ مثلاً اسلام نے غربت کے

خاتمے کے لیے وہ تمام احکامات دیے ہیں جو دولت کو معاشرے میں گردش کرواتے ہیں۔ اس میں زکوٰۃ کی منصفانہ تقسیم، وقف، ذخیرہ اندوزی کی روک تھام، دو دھاتوں (سونا چاندی) کے ساتھ کرنسی کا منسلک ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ دراصل ان احکامات کا نفاذ ہی ہے جو ایسے معاشرے کو جنم دے گا جہاں غربت اور غریب نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اس معاملے میں اخلاق کا کردار ثانوی ہے۔ اسی طرح ظلم کا تدارک شرعی قاضیوں کی موجودگی سے ہوتا ہے جو اسلام کے مطابق فیصلہ کریں اور اسلام کی بنا پر معاملے کی وضاحت کریں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھیک مانگنے والے کے اخلاق کو اچھا نہیں کہا، آپ ﷺ نے ہاتھ پھیلانے والے سے پوچھا، **هل في بيتك شيء "کیا تمہارے گھر میں کچھ ہے؟"** اس نے جواب دیا، "میرے پاس ایک کپڑا اور پیالہ ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **ائتني بهما "انھیں میرے پاس لاؤ"**۔ وہ شخص یہ چیزیں آپ ﷺ کے پاس لایا، آپ ﷺ نے یہ چیزیں لے کر کہا، **من يشتري هذا؟ "کون یہ چیزیں خریدے گا؟"** ایک صحابیؓ نے کہا، "میں، یا رسول اللہ ﷺ"۔ نبی ﷺ نے پوچھا، **بكم؟ "کتنے میں؟"**۔ اس نے جواب دیا، "ایک درہم میں"۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا، **من يزيد؟ "کون اس (ایک درہم) سے زیادہ دے گا؟"**۔ ایک اور شخص نے کہا، "میں انھیں دو درہم میں خریدوں گا"۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں دو درہم میں بیچا اور مانگنے والے کو کہا، **خذ هذين الدرهمين، واشترِ بأحدهما طعامًا لأهلك وبالثاني فأسًا "یہ دو درہم لو، ایک سے گھر والوں کے لیے کھانا خریدو اور دوسرے سے ایک کلہاڑی"**۔ وہ شخص گیا اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ایک کلہاڑی لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اس پر دستہ لگایا اور کہا، **اذهب بهذا الفأس واحتطب به، ولا تأت إلينا إلا بعد خمسة عشر يومًا "جاؤ جا کر اس سے لکڑیاں کاٹو اور بیچو، اور 15 دن تک ہمارے پاس مت آنا"**۔ وہ شخص چلا گیا، لکڑیاں کاٹتا اور ان کو بیچتا۔ 15 دن بعد وہ اپنی کمائی کے طور پر 10 درہم لے کر آیا۔

جب ایک شخص نبی ﷺ کے پاس ایک دوسرے شخص کے خلاف شکایت لے کر آیا، تو نبی ﷺ نے دونوں کا مدعا سننے کے بعد مظلوم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ جب یہودیوں نے مسلمانوں کو دھوکا دیا، تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو محض دعا کرنے کا نہیں کہا بلکہ آپ ﷺ نے افواج کو متحرک کیا کیونکہ اسلام اللہ کے آگے جھکنے کا نام

ہے، نہ کہ دشمنوں کے آگے۔ جب رسول اللہ ﷺ رحلت کے قریب تھے تو انھوں نے اسامہؓ کا لشکر روانہ کیا۔۔۔ یہ تمام معاملات یہ ثابت کرتے ہیں کہ پوری انسانیت میں اخلاق کے اعتبار سے بہترین شخص نے وحی کے مطابق عمل کیا اور ہر معاملے کو اس معاملے سے متعلق شریعت کے احکامات کے ذریعے طے کیا۔ تو وہ لوگ جو اخلاق کو ہر مسئلے کا حل سمجھتے ہیں، کہاں کھڑے ہیں؟ لوگوں کو اخلاق کی طرف بلانے سے غربت، ظلم اور قبضوں کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ یہ محض اسلام اور اس کے احکامات کی ایک کمزور سمجھ اور ٹیڑھی منطق ہے۔ علاوہ ازیں یہ اسلام کو محدود کرنے اور اسے دوسرے مذاہب کی صف میں کھڑا کرنے کی کوشش ہے۔ اسلام کا یہ دنیوی نظریہ دراصل اس سوچ سے مماثلت رکھتا ہے جو سیکولرازم مذہب کے متعلق اور زندگی میں مذہب کے کردار کے متعلق رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن صرف ایک ہی آیت تک محدود ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کو بھیجنے کا مقصد مختلف اقوام کو اخلاقی اقوام بنانا ہوتا۔ جبکہ یہ اسلام کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے جو لوگوں کو مخلوق کی عبادت سے نکال کر خالق کی عبادت میں لانا ہے۔

مزید وضاحت کے لیے کچھ اور مثالوں کو دیکھتے ہیں۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ مغربی دنیا کی کچھ ترقی یافتہ قومیں غربت کے خاتمے کا دعویٰ کرتی ہیں جبکہ ان کے گرے ہوئے اخلاق سے کوئی پردہ نہیں جیسے جنسی بے راہ روی، شراب نوشی، رشتوں کی پامالی اور نسل پرستی۔ ان تمام شیطانی اعمال کے باوجود ہم وہاں غربت نہیں دیکھتے۔ دوسرے طرف ہم غربت کو مسلم ممالک میں حاوی پاتے ہیں باوجود یہ کہ بہت سے لوگوں کے اخلاق اچھے ہیں جیسا کہ سوڈان اور موریطانیہ کے لوگوں کے۔ لہٰذا اخلاق کبھی بھی معاشرے کے قیام اور اس کے عروج وزوال کی بنیاد نہیں ہوتے لیکن جو چیز معاشرے پر اثر کرتی ہے وہ معاشرے کی عمومی روایات ہوتی ہیں۔ جب عثمانی خلافت کے دور میں ایک برطانوی سیاح جدہ (حجاز) آیا تو ایک ہفتے میں تمام مذہبی معاملات سمجھ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حاکم اور عوام اپنے تمام تر دنیاوی معاملات میں اسلام ہی کو واحد بنیاد بناتے تھے۔ اس کے برعکس ہماری زمینوں میں موجود حکومتیں ایسے معاشرے قائم کرنے کی انتھک کوشش کر رہی ہیں جو نہ تو خالصتاً اسلامی ہوں نہ ہی سیکولر، بلکہ دونوں کا ملاپ ہوں۔ وہ اپنی پوری کوشش کے ساتھ غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا اخلاق کی طرف دعوت دینے والوں کو بڑی تعداد میں ایسے لوگوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کے افکار مبہم اور رویہ آلودہ ہو چکا ہوتا ہے۔ جب وہ ان کو وعظ ونصیحت

سے مخاطب کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کا اثر اس نصیحت کے خاتمے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ معاملہ اتنا اہم ہے کہ اسے فقط اخلاق تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اتنا اہم ہے کہ اسے اسلام کے کسی ایک حصے تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اسے ایک ایسے مسئلے کے طور پر دیکھنا ضروری ہے جو اس امت کے مقصد کا تعین کرتا ہے وہ امت جسے اسلام کے پیغام کا علمبردار ہونا چاہئے۔ یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک معاشرے کی فکری قیادت اسلامی عقیدے کے افکار، جذبات اور نظام پر استوار نہ ہو جائے۔ اسی طرح حقیقت کو اس کے تمام تر زاویوں کے ساتھ واضح طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے، خاص طور پر سیاسی زاویے کو۔ میڈیا اور کئی تحریکیں جو اخلاقی اصلاح کے رستے پر چل رہی ہیں وہ واضح طور پر باطل کا سامنا نہیں کرتی۔ اس کے برعکس ان کا طریقہ باطل کے سامنے خاموش رہ کر باطل کو طاقت بخشتا ہے۔ اس رستے پر چل کر وہ لوگوں کو تو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں مگر ان حکومتوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو لوگوں پر کفریہ قوانین کے ذریعے ظلم اور کرپشن نافذ کرتی ہیں۔ بے شک لوگوں کو اسلام اور عقیدے کی طرف دعوت جامع ہونی چاہیے۔ اس کی دلیل میں وہ تمام احادیث موجود ہیں جو اقتدار اور استخلاف کو اللہ کے احکامات کی اطاعت سے جوڑتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنة نبيه**"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جو اگر تم پکڑے رکھو تو گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت"۔ آپ ﷺ نے فرمایا، **عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضّوا عليها بالنواجذ** **"میری سنت اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی مثالوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ ان کی پیروی کرنا اور ان کو پکڑے رکھنا"**۔ یہ قانونی احکامات بالکل ختم ہو گئے اور کچھ کے مطابق تاریخ کے قصے بن کر رہ گئے۔ موجودہ وقت کے حساب سے اسلام کی صلاحیت پر شکوک جنم لینے لگے اور کچھ کے نزدیک یہ ایک دقیانوسی چیز تھی جسے تبدیلی کی ضرورت تھی۔ یہ اور اس جیسے دیگر افکار کو پھیلایا گیا اور انہیں جگہ دینے کے لیے موزوں حالات پیدا کیے گئے۔ اخلاقیات کے طور پر اسلام کی دعوت دینے والے لوگوں نے نہ تو اسلام کو واضح کیا نہ ہی اسے اس کا حق دیا بلکہ اسلام کی محدود سوچ پیش کی۔ حق اور باطل کے درمیان جاری جدوجہد میں سیکولر اسلام دشمنوں نے اس موقع کو اپنے زہریلے افکار پھیلانے کے لیے استعمال کیا۔ یقیناً اس امر میں تسلسل امت کو گمراہ کرنے اور الجھن بڑھانے کی کوشش ہے، خصوصاً جب خوفناک بگاڑ اور کرپشن موجود ہے اور بڑھ رہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی اصلاحی کوشش جو اس سوچ کو لے کر لوگوں کی حالت کو بدلنے کی کوشش کرے گی، وہ لوگوں پر اثرانداز نہیں ہو سکتی جب تک یہ سوچ ایک گروہ نہ اپنالے جو اس سوچ پر قائل ہو اور اس سوچ کو لوگوں تک لے جائے تاکہ وہ اس کے حامل بنیں اور اس کے ساتھ کام کریں۔ یہ زندگی کی روایت ہے۔ امت کا اپنی فطرت میں سیاسی ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معاشرے کے سیاسی ہونے کی وجہ سے تبدیلی کے لیے سیاسی عمل ضروری ہے۔ یہ اس لیے کہ صرف سیاسی نظریہ ہی ایک جامع عمل کا حامل ہو سکتا ہے، ایک غیر سیاسی گروہ نہ تو ایسا نظریہ پیش کر سکتا ہے اور نہ ہی ایک جامع کوشش کر سکتا ہے۔ ایک سیاسی گروہ ہی معاشرے کو اپنے نظام و قوانین سے تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور یہ طے ہے کہ وہ جو ایسی نظریاتی تبدیلی کی سوچ رکھیں گے، ان کو معاشرے کے حکام سے ٹکرانا پڑے گا کیونکہ ان کا مقصد اس معاشرے کو تبدیل کرنا ہے جس پر ایسے افکار و قوانین کے ذریعے حکومت کی جاتی ہے جو اس کا نظریہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا جو بھی اس نظام کا متبادل پیش کرے گا، اسے حکومت سے ٹکرانا پڑے گا۔ اسی وجہ سے یکسر اور بنیادی تبدیلی کے لیے سیاسی عمل لوگوں میں قابل قبول نہیں ہوتا جبکہ وہ جانتے ہیں کہ یہی درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی جماعتوں پر ہی حکومتوں کی طرف سے سب سے زیادہ ظلم کیا جاتا ہے۔ یہ جماعتیں قوانین اور نظام پر مشتمل ایک متبادل سیاسی ڈھانچہ پیش کرتی ہیں جو موجودہ حکومتوں کے وجود کے لیے خطرہ ہوتا ہے۔ یہ ان گروہوں کے برخلاف ہے جو دوسرے متعدد فریم ورک، جیسے سول سوسائٹی یا اخلاقی گروہوں کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک کی حکومتیں اخلاقی طریقے والوں کی مدد کرتی ہیں اور ان کے لیے رستے کھول دیتی ہیں۔ یہ عمل حکومتوں کو مسلمانوں کی حمایت مہیا کرتا ہے خصوصاً جب وہ ان حکمرانوں کو علماء سے ملتے اور میٹنگ کرتے دیکھتے ہیں۔ یوں یہ حکمران امت کے بیٹوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یقیناً اسلام جامع ہے اور تبھی اپنا فائدہ دیتا ہے جب اسے معاشرے میں جامع طور پر نافذ کیا جائے۔ پھر وہ روایات جو نظام، افکار اور جذبات میں پائی جاتی ہیں، افراد کی کردار سازی کرتی ہیں اور جن کو حکمران نافذ کرتے اور معاشرے میں پھیلاتے ہیں۔

آخر میں، فکر اور طریقے میں اسلامی نظریے سے ہٹ جانا ہی کمزوری اور ذلت کی وجہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس طریقے پر حکومت و اختیار نہیں دے گا جس طریقے پر کفار حکومت کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو

حکومت واختیار صرف اسلامی طریقے سے ہی ملے گا۔ اسلام ایک روحانی اور سیاسی عقیدہ ہے یعنی اسلام ایک فکری نظام ہے جو معاشرے کے تمام تر تعلقات کو منظم کرتا ہے خواہ یہ حکومت سے متعلق ہوں یا معیشت، تعلیم اور خارجہ پالیسی سے متعلق، اور ان کا واحد ماخذ اسلامی عقیدہ ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جو یقیناً اس مخصوص طرزِ زندگی کی طرف لے جائے گا جو حقیقی نشاۃ ثانیہ ہے۔

فہرست

نوید بٹ آپ کے لیے خوشخبری: صبر کا دامن نہ چھوڑیے گا کہ خلافت کا وقت آچکا ہے

الشیخ محمد السماني۔ ولایہ سوڈان

دس سال سے کسی کو معلوم نہیں کہ پاکستانی انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) نے ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان برادر نوید بٹ کو اغوا کرنے کے بعد کہاں رکھا ہوا ہے۔

11 مئی 2012 کو دس سال ہونے کو ہیں، اور حزب التحریر، اپنے قیام کے وقت سے، خلافت کی عظیم عمارت کے قیام کے لیے امت اسلامیہ کے درمیان اپنی جدوجہد کی رفتار کو تیز کر رہی ہے؛ ایک ایسی عمارت جو انسانیت کو سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے جلادوں کے عذاب سے بچاتی ہے۔

شاید کہے بغیر ہی یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ باخبر گروہ مکّہ کے دور کے مرحلے سے گزر رہا ہے جہاں اسے گرم اور سرد ماحول کا سامنا ہے، اور یہ گروہ اس منصوبے کے مطابق چل رہا ہے جسے ہمارے پیارے محمد ﷺ نے اُس وقت تیار کیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا تھا:

فَٱصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْمُشْرِكِينَ

"پس جو حکم تم کو (اللہ کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو۔" (الحجر، 15:94)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے عظیم نظریے کی بنیاد پر ایک گروہ بنانے کے لیے لوگوں سے رابطہ کرنا شروع کیا۔ آپ ﷺ نے ایک باشعور سیاسی گروہ بنایا جس نے اسلام کو ایک گہری سیاسی بیداری کے ساتھ پیش کیا، تاکہ اس گروہ کے ساتھ، رسول اللہ ﷺ اسلام کے تصورات کے لیے ایک رائے عامہ تشکیل دے سکیں تاکہ وہ مکّہ کے لوگوں کے تصورات، اور ان کے کرپٹ طرز زندگی کا متبادل ہو، جس نے ناانصافی اور بدعنوانی کو دوام بخشا ہوا تھا۔

مکّہ کا مرحلہ کسی بھی مادی عمل سے دور ایک اعلیٰ سیاسی عمل کا دور تھا۔ یہ ایک واضح اور طے شدہ عمل تھا جو اُس نظریاتی عمل کی عظمت کو واضح کرتا ہے جو دعوۃ کے علمبرداروں کو ایک عظیم درجے پر پہنچاتا ہے اور انہیں اسلام کے ذریعے امت کی شان بڑھانے والا بناتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدے اور رسول اللہ ﷺ کی بشارت پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ وہ قریب ہے اور نبوت کے نقش قدم پر خلافت راشدہ کی ریاست کا اعلان کرنے کا وقت آگیا ہے۔

مکّی دور کی کامیابی کا راز محنت، فکری بلندی، اور اسلامی شخصیت کی عقلیہ اور نفسیہ کی تعمیر میں مضمر ہے۔ یعنی سخت ترین اور مشکل ترین حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل سیاستدانوں کی تعمیر جو کٹھن حالات اور مشکل صورتحال میں سے کامیابی سے نکلنے کا طریقہ جانتے ہیں۔

مکّہ کا مرحلہ امت میں اب رچ بس چکا ہے کہ کس طرح امت اسلامیہ کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے، اور کس طرح اسلام کی بنیاد پر فکری تعمیر اور اسلام کو امت کی فکری قیادت بنا کر اس کے دشمنوں کو مایوس کیا جاتا ہے۔

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کے ترجمان، برادر نوید بٹ، کو کرپٹ نظریات کے خلاف جدوجہد اور اسلام کی امت کے خلاف بین الاقوامی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی وجہ سے قید و بند، اپنے بیوی بچوں سے دور رہنے اور دعوت کو انجام دینے سے روک دیے جانے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ صورتحال انسانی معیار کے لحاظ سے افسوسناک ہے۔ ہمیں اُن سے برسوں سے جدا ہونے کا دکھ ہے، لیکن اللہ کی مرضی ہمارے لیے اور اُن کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے۔ ہم نہیں جانتے، شاید اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن کی طویل قید سے ہمیں کوئی بڑی بھلائی دکھائے، جس سے مکّی دور کی طرز پر ثابت قدم رہنے، حق سے ایک انچ بھی نہ ہٹنے، اور اس دوران مادی کام بھی نہ کرنے کی عظمت قائم ہو جائے۔ مجرموں نے اس باخبر گروہ کو ایک نظریے اور طریقہ کار کے طور پر اسلام کی آئیڈیالوجی سے ہٹانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ اِن کوششوں میں ہرگز کامیاب نہیں ہوئے اور اسی چیز نے انہیں حیران اور خوفزدہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت یاسرؓ کے گھر والوں سے فرمایا تھا: **«صَبْراً آلَ يَاسِرٍ فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ»" اے یاسر کے گھر والو صبر کرو تمہاری منزل جنت ہے۔"**

عمار بن یاسر اور ان کے والدین، یاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہما کی آزمائش اور مصیبت بہت سخت تھی۔ سمیہؓ اسلام کی پہلی شہید تھیں جب ابو جہل نے اُن پر وار کیا تھا، اللہ اُس پر لعنت کرے۔ اور خباب بن الارت، جب انہوں نے نبی ﷺ سے کہا:» أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا، أَلَا تَدْعُو لَنَا؟«" کیا آپ ہمارے لیے فتح کی دعا نہیں کریں گے، کیا آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا نہیں کریں گے؟" یہ ایک ایسی درخواست تھی جو واضح طور پر اُس مصیبت کی نشاندہی کرتی ہے جس کا وہ سامنا کر رہے تھے، یہ درخواست بدسلوکی اور اذیت سے تھکے ہوئے دلوں سے آئی تھی، جو فوری راحت اور فتح کے متمنی تھے۔

اب جب ہم مکّی دور کے مرحلے میں ہیں، تو ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمارے لیے فتح کو قریب لے آئے جیسا کہ اس نے پہلی نسل کے لیے سخت مشکلات اور آزمائش کے بعد جلد فتحیابی عطا فرمائی تھی۔ اب ہم روہنگیا، ایغور مسلمانوں، نویدبٹ اور ان کے بھائیوں کی حالت زار، کشمیر اور فلسطین میں ہمارے عوام، مصر میں سیسی کے ظلم، شام، عراق، لبنان، تیونس، یمن، سوڈان اور صومالیہ، میں بھوک وافلاس کی وجہ سے درد میں ہیں، گویا جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ تو آیئے اللہ عزوجل سے دعا کریں کہ وہ نبوت کے نقش قدم پر خلافت راشدہ کے عظیم آغاز میں ہماری مدد فرمائے۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے طائف سے واپسی کے وقت یہ دعا مانگی، جب ثقیف کے تینوں بھائیوں، عبد یلیل بن عمرو بن عمیر، مسعود اور حبیب، نے اپنے احمقوں اور غلاموں کو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگادیا کہ وہ آپ ﷺ کو اذیت پہنچائیں، اور انہوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ایڑیوں سے خون بہنے لگا اور آپ ﷺ ایک باغ میں جا پہنچے، تو آپ ﷺ نے یہ دعا کی: **«اللَّهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي وَقِلَّةَ حِيلَتِي وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ، يا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ وَأَنْتَ رَبِّي، إِلَى مَنْ تَكِلُنِي، إِلَى بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِي، أَوْ إِلَى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي، إِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِي، وَلَكِنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الْكَرِيمِ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ أَنْ يَنْزِلَ بِي غَضَبُكَ أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبَى حَتَّى تَرْضَى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»**"اے اللہ میں تجھ

سے اپنی کمزوری، بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! تو کمزوروں کا رب ہے، تو ہی میرا رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کسی اجنبی کے ساتھ جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جسے تو میرے معاملے کا مالک بنائے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوئیں اور جس سے دنیا و آخرت کا معاملہ درست ہوا کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیری ناراضی مجھ پر اترے۔ مجھے تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ تیری ہی بخشی ہوئی توفیق سے نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت نصیب ہوتی ہے۔"

ایک دعا جو مکّی دور میں فکری اور سیاسی جدوجہد کی عظمت کو واضح کرتی ہے، چنانچہ چند سال بعد اس وقت راحت ملی جب آپ ﷺ نے مکّہ میں اوس اور خزرج سے ملاقات کی، اور پھر اس کے صرف تین سال بعد انہوں نے آپ کو اقتدار حوالے کر دیا؛ مدینہ میں پیارے المصطفیٰ ﷺ کی ریاست قائم ہو گئی۔

برادرم نوید بٹ اپنے مقصد کے لیے پر عزم نظریاتی گروہ کے کام میں بہادری کی ایک علامت اور مثال بن گئے ہیں، تاکہ امت کو معلوم ہو کہ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنا موقف نہیں بدلا اور امت اسلامیہ میں شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے کی عظمت کو عملاً بیان کیا، اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب آیت 23 میں فرمایا:

مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُواْ مَا عَاهَدُواْ اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُواْ تَبْدِيلاً

"مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار اُنہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔ تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا"۔

پاکستانی حکام نے انجینئر نوید بٹ کے خلاف اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا اور دعوت کے کام کو روکنے میں ایک شیطانی حلقے کی نمائندگی کی اور اس کارروائی سے پاکستان اور افغانستان میں حزب التحریر کے زبردست اثر ورسوخ کی تصدیق کی۔ پاکستانی حکومت پاکستانی عوام کے فائدے کے لیے کام نہیں کرتی، نہ اسے حزب التحریر کے افکار کی گہرائی کا علم ہے۔ نوید بٹ کی نظر بندی نے یہ رائے قائم کی کہ پاکستان کے حکام نے دوہرا معیار اپنا رکھا ہے، اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور یہ ان کی ساکھ کو تباہ کرنے کا باعث بنے گا اور آخر کار یہ ان کو لے ڈوبے گا۔ ان کا قدرتی عمل یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ کم از کم اسلام کی حمایت کرتے اور ان لوگوں کی مخالفت نہ کرتے جو امت کو اُن کے دین کی بنیاد پر یکجا کرنے کا منصوبہ لے کر چل رہے ہیں، یعنی ریاست خلافت راشدہ جو نبوت کے نقش قدم پر ہو گی۔

یہ بات حیران کن ہے کہ پاکستان کی حکومت نے برادر نوید بٹ کو دس سال سے قید میں رکھا ہوا ہے جبکہ اس دوران میں وہ دیکھ رہی ہے کہ کس طرح کشمیر کے مسلمانوں کو سات دہائیوں سے اپنی بقاء کا مسئلہ درپیش ہے اور کشمیر کو ضم کر کے اور قانونی اور فوجی طریقہ کار کو استعمال میں لاتے ہوئے منصوبہ بندی کے تحت ان کی آبادی کے تناسب کو تبدیل کیا جا رہا ہے۔

یہ بات حیران کن ہے کہ پاکستان کی حکومت نے برادر نوید بٹ کو دس سال سے قید میں رکھا ہوا ہے، جبکہ اسی دوران بین الاقوامی اداروں نے یہ رپورٹ کیا ہے کہ پاکستان میں غربت کی شرح 40 فیصد تک پہنچ گئی ہے، اور بلوچستان اور قبائلی علاقوں میں سب سے زیادہ غربت ہے۔

رپورٹس کے مطابق ایک سال میں غربت، بدحالی اور مشکلات سے بھری زندگی گزارنے کی وجہ سے 191 پاکستانیوں نے خودکشی کر لی، غربت کے باعث کئی لوگوں نے اپنے گردے فروخت کر دیے تاکہ وہ اپنے قرض اتار سکیں۔ نجی اسپتال جو یہ آپریشن کرتے ہیں، وہ ایک گردہ لگانے کے 15 ہزار ڈالر لیتے ہیں جبکہ جو شخص اپنا گردہ فروخت

کرتا ہے اسے صرف ایک ہزار ڈالر ہی ملتے ہیں۔ رپورٹس کہتی ہیں کہ دالیں پاکستان کی ایک اہم فصل ہے کیونکہ یہ غریب آدمی کی خوراک ہے جن کی پاکستان میں تعداد سات کروڑ ہے۔(الجزیرہ نیٹ)۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ ملک کی یہ صورتحال ہے اور پاکستان کی حکومت نے برادر نوید بٹ کو قید کر رکھا ہے جو سچ بولتا ہے اور حکمرانوں کی امریکی غلامی، لوگوں کی دیکھ بھال میں ان کی شدید غفلت اور حق کے داعیوں پر ان کے ہاتھوں تشدد کو بے نقاب کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا انصاف ہو کر رہے گا، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان ظالموں سے انتقام لے گا جنہوں نے اس کے غلاموں پر ظلم و ستم جاری رکھا، خصوصاً ان لوگوں کے خلاف ظلم جو ان کی سازشوں اور امت کے خلاف ان کی غداریوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ ہم آپ سے ایک بات کہنا چاہیں گے: ہمارے بھائی، انجینئر نوید بٹ کو فوراً چھوڑ دیں۔ اور جنہوں نے بھائی نوید بٹ کے خلاف یہ جرم کیا ہے، ان سے حساب لیا جائے گا، اللہ کے حکم سے، جب بہت جلد اللہ کے وعدے کے مطابق ریاستِ خلافت قائم ہو گی، اور اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

فہرست

اس اُمت کی مشکلات اور ذلت کے خاتمے کے لیے جمہوریت کو مٹا کر خلافت قائم کرو!

حزب التحریر ولایہ پاکستان

اے پاکستان کے مسلمانو!

ہم ایک ایسے وقت اپنی دعوت آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں جب مختلف سیاسی دھڑے ایک مرتبہ پھر حکمرانی کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے پنجہ آزمائی کر رہے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس مقابلے میں فتح حکمران اتحاد کو حاصل ہوتی ہے یا کوئی اور دھڑا اپنی باری حاصل کرتا ہے، دونوں صورتوں میں ہمارے لیے ہار ہی ہار ہے۔ موجودہ جمہوری قوانین اور پالیسیوں کا نظام کہ جس کے تحت یہ لڑائی جاری ہے، ہمارے مفادات کی دیکھ بھال کی صلاحیت سے عاری ہیں، خواہ اس نظام کی باگ دوڑ کسی کے بھی ہاتھ میں ہو اور خواہ اس نظام میں کتنی ہی ترامیم کر دی جائیں یا پیوند لگا دیے جائیں۔ مشرف کے دَور سے اب تک، پچھلے بیس سال میں ہم نے جتنے بھی دورِ حکمرانی دیکھے ہیں، سیاسی دھڑے قوانین اور پالیسیوں کو تبدیل کرتے رہے ہیں تاکہ حکمران اشرافیہ اور استعماری طاقتیں، دونوں کے مفادات کے حصول کو یقینی بنایا جائے۔

انسانوں کے بنائے ہوئے نظام میں قوانین اور ضابطوں کو توڑنا موڑنا ایک لازمی امر ہے کیونکہ انسانوں کے بنائے ہوئے نظام میں قوانین اور پالیسیاں حکمرانوں اور منتخب نمائندوں کی مرضی اور خواہش کے مطابق بنتی ہیں، اور یہ لازم نہیں ہوتا کہ اللہ کے نازل کردہ احکامات ہی قانون ہوں اور پالیسیاں اللہ کے احکامات کے عین مطابق ہوں۔ یہ نظام سیکولرازم کی بنیاد پر کھڑا ہے، پس دین کو ریاستی معاملات سے بے دخل کر دیا گیا ہے، جس کے بعد سیاسی دھڑے اپنی مرضی کے مطابق قوانین اور پالیسیوں کو بنانے اور تبدیل کرنے میں آزاد ہیں تاکہ وہ اور ان کے بیرونی آقا، ملک کی دولت اور طاقت سے اپنے لیے فائدے سمیٹ سکیں۔

اے پاکستان کے مسلمانو!

پچھلے بیس سال میں ہم نے باری باری کی سیاست کا مشاہدہ کیا جس نے یہ واضح کر دیا کہ اپوزیشن بھی استعماری طاقتوں کے مطالبات کی راہ میں کبھی رکاوٹ کھڑی نہیں کرے گی، جو یہ طاقتیں آئی ایم ایف، FATF یا دیگر بین الاقوامی اداروں کے ذریعے پورا کرتی ہیں۔ ان کے تمام تر لانگ مارچ اور شور شرابے سے قطع نظر، استعماری طاقتوں کے مفادات کے تحفظ کو تمام جمہوری سیاسی دھڑے خود پر لازم سمجھتے ہیں۔ جب بات استعماری طاقتوں کے مفادات کو پورا کرنے کی ہو، تو ہر دور میں حکومت اور اپوزیشن میں اس پر مکمل اتفاقِ رائے ہوتا ہے۔ تمام سیاسی دھڑے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اقتدار کے ایوانوں تک اسی صورت پہنچ پائیں گے اگر وہ غیر ملکی استعماری طاقتوں کو اپنی خدمات فراہم کریں گے، چاہے ان خدمات کا تعلق ہماری معیشت سے ہو یا ہماری سیکیورٹی سے۔

یہی وجہ ہے کہ پچھلے بیس سال میں ہر دورِ حکمرانی میں ہم نے مشاہدہ کیا کہ ان سیاسی دھڑوں نے معیشت کے میدان میں استعماری کفار کے طے کردہ قوانین کو ہی نافذ کیا، جنھیں آئی ایم ایف کے ذریعے لاگو کیا گیا تھا، جس کے نتیجے میں مشکلات، مہنگائی، بے روزگاری، غربت اور قرضوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ لہٰذا ان سیاسی دھڑوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی بنیاد پر حکمرانی کر کے، ملک کو بتدریج معاشی بدحالی سے دوچار کر دیا، اگرچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس ملک کو بے تحاشہ دولت سے نوازا ہے جس میں معدنیات، توانائی کے وسائل، زراعت، پانی، طرح طرح کے موسم، محنتی اور ذہین کم عمر آبادی شامل ہے۔

پچھلے بیس سال میں سیاسی دھڑوں نے امریکی دفتر خارجہ، پینٹاگون اور FATF کی اندھی اطاعت کی اور ہمارے تحفظ کو بتدریج کھوکھلا کیا۔ مشرف کے دَور سے لے کر اب تک، سیاسی دھڑوں نے مقبوضہ کشمیر کو ہندوستان کے حوالے کرنے لیے مرحلہ وار قدم اٹھائے، جبکہ اُس چیز کو ممنوع اور غیر قانونی بنا دیا کہ جس کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی جہاد۔ ان سب نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں جہاد کو غداری قرار دیا، اور اُن لوگوں کو قید میں ڈالا جو اس فرض کی ادائیگی کو جاری رکھنے پر اصرار کر رہے تھے۔ ان سیاسی دھڑوں کے کمزور موقف کی وجہ سے بھارت کا حوصلہ بڑھا اور وہ پاکستان کے اندر جہاں بھی پہنچ سکا، وہاں فتنہ و فساد برپا کیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی کر کے ان سیاسی دھڑوں نے پاکستان کے لوگوں اور افواج کو، جو فتح یا شہادت کی تمنا رکھتے ہیں، ذلت سے دوچار کرنے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

اے پاکستان کے مسلمانو!

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا، **وَأَنْ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ "اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی کبھی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں آپ کو بہکا نہ دیں"** (المائدہ، 49)۔ جب بھی ہم پر ایسے حکمران موجود ہوں گے جو ہمارے دین کے مطابق حکمرانی نہیں کریں گے تو ہم مشکلات اور ذلت سے ہی دوچار ہوں گے۔ ہمیں لازماً استعماری کفار کے قوانین سے منہ موڑنا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اُن تمام سیاسی دھڑوں کو بھی مسترد کرنا ہے جو اپنے بیرونی آقاؤں کی خاطر، اِن کفریہ قوانین کے ذریعے ہم پر باری باری حکومت کرتے ہیں۔ ہمیں انتخابات کے تماشے کو مسترد کرکے اب آگے بڑھنا ہے اور ایسے حکمرانوں کو لانا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمانبردار ہوں۔ بلاشبہ ہم میں سے جو بھی حقیقی معنوں میں تبدیلی کی خواہش رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ حزب التحریر کے شباب کے شانہ بشانہ چلے اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام کی جدوجہد میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے۔

اے افوانِ پاکستان میں موجود مسلمانو!

پاکستان کے مسلمان، کہ جن کے تحفظ کی آپ نے قسم اٹھائی ہے، کی مشکلات اور ذلت کا اس وقت تک خاتمہ نہیں ہوگا، جب تک آپ حزب التحریر کو نُصرۃ فراہم نہیں کرتے جو اپنے عالمی امیر، شیخ عطا بن خلیل ابو الرَشتہ کی قیادت میں اسلام کو ایک طرزِ زندگی، حکومت اور ریاست کے طور پر قائم کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے۔ صرف خلافت کے قیام کے بعد ہی اس امت اور اس کی عظیم تہذیب کو اس کا درست مقام ملے گا، اور مشرق سے مغرب تک مشکلات اور ذلت آمیز صورتِ حال کا خاتمہ ہوگا۔

خلافت کے قیام کے لیے اپنی نُصرۃ فراہم کریں، جو امت کے وسیع معاشی وسائل کو یکجا کرے گی تاکہ یہ امت انسانیت کو دوبارہ مشکلات اور ذلت سے نجات دلائے، جیسا کہ خلافت نے اس سے پہلے صدیوں یہ کام کیا تھا۔ یہ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت تھی کہ جس نے حیرہ کے نئے مفتوحہ علاقے کے غیر مسلموں کے لیے اعلان کیا کہ ریاست اُن کے غریب اور کمزور لوگوں کی ضروریات کو مکمل طور پر پورا کرے گی اور اُن سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت تھی جس نے قرض داروں کے قرضے کے بوجھ کو خود دُور کیا، غیر شادی شدہ افراد کو شادی کے لیے وسائل فراہم کیے، اور مالی لحاظ سے کمزور غیر مسلم شہریوں کا جزیہ خود ریاست نے ادا کیا۔ یہ عثمانی خلافت کے خلیفہ بایزید دوئم کی خلافت تھی جس نے اسپین کے عیسائی بادشاہ فرڈیننڈFerdinand کے ظلم و ستم سے بھاگ کر آنے والے یہودیوں کو پناہ فراہم کی۔ یہ خلیفہ عبدالمجید اوّل کی خلافت تھی جس نے آئرلینڈ میں پڑنے والے عظیم قحط سے نمٹنے کے لیے دس ہزار پاونڈ کی امداد بھیجی، جس پر ملکہ وکٹوریہ نے یہ درخواست کی کہ اس امداد کو کم کر دیا جائے کیونکہ اس نے صرف دو ہزار پاونڈ کی امداد بھیجی ہے! تو آپ میں سے کون ہے جو آج خلافت کے بحالی کی سعادت اپنے نام کرے گا، تاکہ انسانیت کو سرمایہ دارانہ معاشی آرڈر کی وجہ سے پیدا ہونے والی شدید معاشی مشکلات سے نجات دلائی جاسکے؟!

خلافت کے قیام کے لیے اپنی نُصرۃ فراہم کریں جو دسیوں لاکھ مسلم افواج کو ایک قیادت تلے یکجا کر کے انہیں دنیا کی سب سے بڑی فوجی قوت میں تبدیل کر دے گی، اور تمام مظلوموں کو ظالموں سے تحفظ فراہم کرے گی۔ یہ خلافت کا ہی دَور تھا کہ جب مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرایا جاتا تھا چاہے اس کے لیے کتنی ہی طویل کوشش کیوں نہ کرنی پڑے اور دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ یہ خلافت کا ہی دَور تھا کہ جابروں کی حکمرانی کے خاتمے کے لیے افواج کو حرکت میں لایا جاتا تھا، اور ہزاروں لاکھوں لوگوں کو اس بات کا موقع ملتا تھا کہ وہ اسلام سے رُوشناس ہو سکیں، جس کے نتیجے میں ایک عظیم اسلامی امت وجود میں آئی جو حق کی طرف انسانیت کی رہنمائی کی واحد امید ہے۔۔۔ تاہم خلافت کے خاتمے کے بعد استعماری کفار نے ہر قانون وضابطے کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا خواہ یہ افغانستان کے خلاف بش کی جارحیت ہو یا پھر یوکرین پر پوٹن کی جنگ۔۔۔ تو آپ میں سے کون ہے جو کفار کی زنجیروں کو توڑنے کا کارنامہ سرانجام دے گا، اور دعوت اور جہاد کے ذریعے اسلام کی اشاعت کا ایک بار پھر آغاز کرے گا، امت کو اس کے دین کی وجہ سے معزز بنائے گا اور دشمنوں کو عبرتناک شکست سے دوچار کرے گا؟

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ "اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے، (یعنی) اللہ کی مدد سے۔ وہ (اللہ) جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب (اور) مہربان ہے۔" (الروم، 5-4)۔

یکم شعبان 1443 ہجری — حزبُ التّحریر

4 مارچ 2022 عیسوی — ولایہ پاکستان

فہرست

صلاح الدین اور خلافت

الوعی شمارہ 188 سے ترجمہ

لوگ صلاح الدین ایوبی کی شخصیت کے فوجی پہلوؤں کو ضرور نمایاں کرتے ہیں، مصر اور بلادِ شام، دونوں میں صلیبیوں کے خلاف ان کا جہاد، ان کا تقوٰی، شہریوں پر ان کا عدل، ان کا رحم اور اسباب کی تیاری وغیرہ۔ تاہم، ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو دین پر ان کی ثابت قدمی اور حق پر ان کے استقلال، جو انہوں نے ہر قسم کے حالات میں اختیار کئے رکھے، کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ پہلو زیادہ اُجاگر نہیں کیا جاتا لیکن یہ پہلو خلافت کے لئے ان کے نقطۂ نظر میں ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ صلاح الدین نے خلافت کی وحدت کی فکر کو اپنائے رکھا، لہٰذا انہوں نے ایک ہی وقت میں دو خلفاء کی موجودگی کو تسلیم نہ کیا۔ چونکہ اس وقت کے قانونی خلیفہ عباسی خلیفہ ہی تھے، صلاح الدین نے اپنی وفاداری اور اطاعت انہی کے ساتھ منسلک رکھی۔ ان کا ایمان تھا کہ اگر کوئی دوسرا خلیفہ آکر عباسی خلیفہ سے تنازعہ کرے تو اس سے لڑا جائے۔

وحدتِ خلافت پر صلاح الدین کی گہری توجہ اور اس بات پر ان کا ایمان کہ عباسی خلیفہ ہی شرعی خلیفہ ہیں، 586 عیسوی میں منصور یعقوب بن یوسف بن عبدالمومن کو لکھے گئے ان کے خط سے ظاہر ہوتا ہے جس میں صلاح الدین نے صلیبی فرینکس کے خلاف ان سے مدد چاہی تھی تاکہ بلادِ شام اور مصر کے ساحلی علاقوں کو اس کے بحری بیڑوں سے محفوظ رکھا جاسکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یعقوب کے پاس ایک بڑی بحری فوج تھی جبکہ صلاح الدین کے پاس صرف ایک چھوٹی سی بحریہ تھی۔ یعقوب، موحد ریاست (جزائرِ آئیبیریا اور شمالی افریقہ کے موحدین) کے لیڈروں میں سے ایک تھا اور اپنے آپ کو امیر المومنین کہتا تھا۔ صلاح الدین کو یعقوب کے بحری اثاثوں کی اشد ضرورت کے باوجود، انہوں نے یعقوب کو امیر المومنین کہہ کر مخاطب نہیں کیا۔ اس کے بجائے انہوں نے اسے امیر المسلمین (مسلمانوں کا حاکم) کہہ کر مخاطب کیا۔ صلاح الدین نے اپنے خط میں عباسی خلیفہ کو علم کے لحاظ سے انبیاء کا وارث، شرعی اقتدار کے

لحاظ سے زمین کا وارث اور دین کے آسمانوں کی خوبصورتی کے طور پر بیان کیا جہاں خلیفہ تاج میں جڑے نگینے کی طرح ہے۔

ابو عباس ناصری نے اپنی وسیع تحقیق،" الاستقصا لأخبار دول المغرب الأقصى- "دوردراز مغرب کی معلومات کی تحقیق" میں لکھا ہے: وكان عنوان الكتاب: من صلاح الدين إلى أمير المسلمين، وفي أوله الفقير إلى الله تعالى يوسف بن أيوب وبعده الحمد لله الذي استعمل على الملة الحنيفية من استعمر الأرض، وأغنى من أهلها من سأله القرض، وأجرى من أجرى على يده النافلة والفرض، وزين سماء الملة بدراري الذراري التي بعضها من بعض... ولما وقف عليه المنصور ورأى تجافيه فيه عن خطابه بأمير المؤمنين، لم يعجبه ذلك، وأسرّها في نفسه، وحمل الرسول على مناهج البر والكرامة ورده إلى مرسله ولم يجبه إلى حاجته. ويقال إنه جهز له بعد ذلك مئة وثمانين أسطولاً ومنع النصارى من سواحل الشام والله تعالى أعلم،" خط کا متن تھا: صلاح الدین کی جانب سے امیر المسلمین، یوسف بن ایوب کے نام، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا محتاج ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اسلامی امت پر وہ لوگ مقرر کئے ہیں جو زمین پر خوشحالی پھیلاتے ہیں اور کسی قرض کے بغیر مالی اعتبار سے اپنے لوگوں کے خود مختار ہونے کا باعث ہیں اور حکمرانوں کے ذریعے فرائض و مندوبات (نوافل) کے پورا ہونے کا باعث ہیں، وہ ذات جس نے حکمرانوں جیسے موتیوں سے دین کے آسمان کو مزین کیا۔۔۔ منصور نے صلاح الدین کے محض امیر المسلمین کہنے اور امیر المومنین نہ کہنے پر اعتراض کیا اور اس نے اسے اپنے خلاف سمجھا۔ چنانچہ اس نے صلاح الدین کے ایلچی کو، کوئی گذارشات پورا کئے بغیر عزت دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے باوجود منصور نے 180 بحری جہاز بھجوانے کی تیاری کی لیکن ان کی آمد، شام کے ساحلی شہروں پر صلیبیوں کے قبضہ کی وجہ سے رُک گئی۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے"۔

شہاب الدین مقدسی، اپنی کتاب، كتاب الروضتين في أخبار الدولتين النورية والصلاحية "دو باغوں کی کتاب؛ نورالدین اور صلاح الدین کی حکمرانی کی خبروں سے متعلق" میں بیان کرتے ہیں: لم يحصل من جهة سلطان المغرب ما التمس منه من النجدة وبلغني أنه عز عليه

كونه لم يخاطب بأمير المؤمنين على جاري عادتهم، وقد كان سلطاناً عادلاً مظهراً للشريعة غازياً "صلاح الدین کو مغرب کے سلطان سے مدد نہ ملی۔ مجھے اطلاع ملی کہ سلطان اپنے رواج کے مطابق ،امیر المومنین مخاطب نہ کیے جانے پر تشویش میں تھا۔ وہ ایک عادل سلطان تھا جو شریعت کا اہتمام کرتا تھا اور جنگجو تھا"۔ شہاب الدین مقدسی کی کتاب سے لیا گیا یہ بیانیہ، یعقوب کے چچازاد بھائی کے قصیدے اور شمس الدین بن منقذ (صلاح الدین کا ایلچی) کے قصیدے، دونوں سے زیادہ معتبر ہے۔ پہلا قصیدہ، منصور کو خلفاء میں سے بہترین تصور کرتا ہے اور دوسرا اسے "مسلمانوں کا رہنما" پکارتا ہے۔

یعقوب کے چچازاد کے قصیدہ کے حوالے سے، مقدسی کہتے ہیں،

وفيه يقول ابن عمه سليمان بن عبد الله بن عبد المؤمن أبو الربيع من قصيدة أولها:

هَبَّتْ بِنَصْرِكُمُ الرِّيَاحُ الأَرْبَعُ وَجِدَتْ بِسَعْدِكُمُ النُّجُومُ الطُّلَّعُ

إِنْ قِيلَ مَنْ خَيْرُ الخَلاَ ئِفِ كُلِّهَا فَإِلَيْكَ يَا يَعْقُوبُ تُومِي الإِصْبَعُ

إِنْ كُنْتَ تَتْلُو السَّابِقِينَ فَإِنَّمَا أَنْتَ المُقَدَّمُ وَالخَلاَ ئِقُ تُتْبَعُ

"اس کا چچازاد سلمان بن عبداللہ بن عبدالمؤمن ابوربیع پہلے قصیدہ کے حوالے سے کہتا ہے:

تمہاری ہی مدد سے بہاروں کی ہوا چلتی ہے، جبکہ تمہارے ہی نصیب سے تارے طلوع ہوتے ہیں

اگر یہ پوچھا جائے کہ تمام خلفاء میں سب سے بہترین کون ہے، تو اے یعقوب! انگلیاں تمہاری ہی طرف اشارہ کرتی ہیں

اگرچہ تم اپنے سے پہلے والوں کی پیروی کرتے ہو، مگر تم اور تمہارے اخلاق ہی پیروی کے قابل ہیں

صلاح الدین کے ایلچی کے قصیدے کے حوالے سے مقدسی نے کہا:

وقد مدحه أيضاً شمس الدين بن منقذ هذا المرسل إليه من جهة السلطان بقصيدة منها:

سَأَشْكُرُ بَحْراً ذَا عُبَابٍ قَطَعْتُهُ إِلَى بَحْرِ جُودٍ مَا لِنَعْمَاهُ سَاحِلُ

إِلَى مَعْدِنِ التَّقْوَى إِلَى كَعْبَةِ الهُدَى إِلَى مَنْ سَمَتْ بِالذِّكْرِ مِنْهُ الأَوَائِلُ

إِلَيْكَ أَمِيرَ المُسْلِمِينَ وَلَمْ تَزَلْ إِلَى بَابِكَ المَأْمُولِ تُزْجَى الرَّوَاحِلُ

"شمس الدین بن منقد نے بھی اپنے قصیدے میں بطور سلطان، منصور کی تعریف کی ہے:

میں اُس ٹھاٹھیں مارتے بپھرے سمندر کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس سے میں گزر کر آیا ہوں، اِس ساحل کی طرف جو بالکل پُر سکون اور مطمئن سمندر کی مانند ہے

میرے تقوٰی اور رہنمائی کے محور کی طرف، اُس کی طرف جس کا اس سے پہلے والے بھی حوالہ دیا کریں گے

یہ آپ ہیں مسلمانوں کے امیر اور آپ سے امید کا دَر ہر اُس کی دادرسی کرتا ہے جو بھی اس سے گزرتا ہے"۔

جو چیز خلافت کی وحدت کے لئے صلاح الدین کے جذبہ اور عباسی خلیفہ ہی کے شرعی خلیفہ ہونے کے یقین کی تصدیق کرتی ہیں، وہ شہاب الدین مقدسی کی کتاب، كتاب الروضتين في أخبار الدولتين النورية والصلاحية، "دو باغوں کی کتاب؛ نورالدین اور صلاح الدین کی حکمرانی کی خبروں سے متعلق"، میں درج روایت ہے، جس میں وہ خط شامل ہے جو کہ صلاح الدین نے خلافت کے دارالخلافہ، بغداد کو لکھا تھا۔

کتاب اس کا تذکرہ کرتی ہے جو کہ اس خط میں آیا ہے: وبلاد أولاد عبد المؤمن فلو أن لها ماء سيف لأطفأ ما فيها من النار إلى أن تعلو كلمة الله العليا وتملأ الولاية العباسية

الدنیا، "اگر عبدالمؤمن کی اولادوں کے شہر نے، وہاں لگی آگ بُجھانے اور اللہ کا نام ہی سب سے بلند کرنے کے لئے، ایک پانی کی تلوار بھی اُٹھائی ہوتی تو عباسیوں کا اقتدار پوری دنیا پر چھا جاتا"۔

یہاں صلاح الدین نے عبدالمؤمن کی نسل سے لڑنے کی اجازت طلب کرنا چاہی ہے۔ اُن سے لڑنے کہ وجہ، اُن کا اپنے آپ کو خُلفاء یا امراء المومنین کہلانے کے اعلان کے باعث بغداد کے خلیفہ کی اطاعت سے علیحدہ ہو جانا ہے۔

جہاں تک صلاح الدین کا خود خلیفہ کی اطاعت کا تعلق ہے تو انہوں نے ہر اس خط کے آغاز میں ہی اس کا اظہار کیا ہے جو انہوں نے خلیفہ کے ایوان میں بھجوائے اور انہوں نے خود کو ایک وفادار خادم ہی سمجھا۔

ان اقرار ناموں کی ایک جھلک، القلقشندي کے انسائیکلوپیڈیا، صبح العشى "اندھے کی صبح صادق" میں ملتی ہے: الخادم ينتهب ثرى العتبات الشريفة بالتقبيل... في امتثال الأوامر الشريفة التي لم يزل يتسارع إليها ويقارع عليها "وہ خادم جو (خلافت کی) پاک دہلیزوں کی دولت تسلیمات سے سمیٹتا ہے --- ان معزز احکامات کی تعمیل میں جن کی خاطر وہ جلدی کرتا ہے اور لڑتا ہے"۔ خط میں یہ بھی لکھا ہے، وحامداً الله الذي جعله من طاعة أمير المؤمنين عند حسن يقينه "تمام تعریفیں اس اللہ واحد کے لئے ہیں جس نے اسے امیر المؤمنین کی احسن طریقے سے اطاعت کرنے والا بنایا"۔

خط میں یہ بھی بیان ہے، أعلى الله الموحدين على الملحدين، وثبت كلمة المتقين على اليقين، بدوام أيام الديوان العزيز... وألهم الخلق أن يعنونوا بطاعته صحائف الإيمان "اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ توحید والوں کا رُتبہ ملحدوں سے بُلند رکھے، اور نیکوکاروں کا کلمہ معزز ایوانوں کے ایام میں مضبوطی سے قائم رکھے، اور اللہ خلقت کو ایمان کی حلاوت کے ساتھ خلیفہ کی اطاعت کی توفیق دے"۔

اطاعت کے اقرار کے صلاح الدین کے بیانات میں سے ایک کو مقدسی نے یوں بیان کیا ہے، وهذه المقاصد الثلاثة الجهاد في سبيل الله والكف عن مظالم عباد الله والطاعة لخليفة الله هي مراد الخادم من البلاد إذا فتحها، ومَغْنمه من الدنيا إذا مُنحها "یہ تین مقاصد،

اللہ کی راہ میں جہاد، اللہ کے بندوں پر ظلم کو روکنا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے خلیفہ کی اطاعت کرنا، اس شہر کے خادم کی مرادیں ہیں جسے فتح کیا جائے اور یہی دنیا میں اس کا اثاثہ ہے، اگر اسے عطا ہو جائے"۔

صلاح الدین کی رائے کے مطابق امام کے بغیر کوئی معاشرہ نہیں ہو سکتا۔ مقدسی سے بیان کی گئی صلاح الدین کی تحریروں میں سے ایک یہ ہے: أدام الله أيام الديوان العزيز... والأمة مجموعة الشمل بإمامته جمع السلامة لا جمع التكسير "اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ معزز ایوان کے دنوں کو محفوظ رکھے۔ امت اجتماعی ہے جو امام سے ہی وحدت حاصل کرتی ہے، امت مجموعی طور پر سلامتی سے اکٹھی ہے اور تفریقوں کا ملغوبہ نہیں ہے"۔

صلاح الدین کا یہ بھی ماننا تھا کہ قیادت انفرادی ہوتی ہے نہ کہ اجتماعی۔ مقدسی ان کے خطوط میں سے ایک سے نقل کرتے ہیں: ولا يختار إلا أن تغدو جيوش المسلمين متحاشدة على عدوها، لا متحاشدة بعتوها، ولو أن أمور الحرب تصلحها الشركة لما عز عليه أن يكون كثير المشاركين، ولا ساءه أن تكون الدنيا كثيرة المالكين، وإنما أمور الحرب لا تحتمل في التدبير إلا الوحدة "وہ (خلیفہ) اکیلا ہی مسلمانوں کی فوجوں کو امت کے دشمنوں کے خلاف روانہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، نہ کہ کوئی ظالم اپنی ناانصافی سے۔ اگر جنگوں کے معاملات اجتماعیت سے طے ہونے ہوتے تو پھر بہت سے شراکت دار ہوتے۔ دنیا کو اتنا نقصان شاید بہت سے حکمران ہونے سے نہ پہنچے لیکن جنگوں کے معاملات صرف اور صرف وحدانیت کا تقاضا کرتے ہیں"۔

یہ متن، اگرچہ قاضی فاضل (صلاح الدین کے مشیرِ اعلیٰ) کی جانب سے لکھا گیا، لیکن یہ سلطان صلاح الدین کے زیرِ نگرانی ہی تھا۔ قاضی نے صرف سلطان کی رائے کا اظہار کیا اور اس نے سلطان کی اجازت کو یقینی بنایا کیونکہ یہ خطوط، خلافت کے دیوان کے لئے، سلطان (خلیفہ) کے نام سے ہوتے تھے۔

خلافت کی وحدانیت کے لئے، صلاح الدین کے موٴقف کا سب سے زبردست ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے مصر میں فاطمیوں (العبیدیین) کی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ فاطمی بغداد کے خلیفہ، جس کو صلاح الدین نے بیعت دی تھی، کے باغی ہیں۔ عبیدیوں نے 357 ہجری میں ولایہ مصر پر قبضہ کر لیا تھا اور اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا، جسے وہ غلط طور پر اور ڈھٹائی سے فاطمی خلافت کہتے تھے۔ 549 ہجری میں، عباسی خلیفہ، المقتفی نے ولایہ مصر کو، حلب اور دمشق کے والی، نورالدین زنگی کو عطا کرتے ہوئے ایک عہد نامہ لکھا اور ان کو حکم دیا کہ وہ مصر کی جانب روانہ ہوں۔ 562 ہجری میں، سلطان نورالدین زنگی نے، اسد دین شیر کوہ کی قیادت میں دو ہزار کا ایک لشکر تیار کیا۔ پھر 564 ہجری میں، شیر کوہ کے بھتیجے، صلاح الدین نے ان کی جگہ لی۔ آخری فاطمی خلیفہ عدید، بغداد میں عباسی خلیفہ کے اختیار سے باہر، مصر میں رہتا تھا۔ پھر صلاح الدین نے عدید فاطمی کا اعلان کردہ خطبہ ختم کر دیا اور 567 ہجری میں مصر کو واپس عباسی خلیفہ کو دے دیا۔ اس طرح، خلافت ایک ہو گئی اور امت بغداد کے عباسی خلیفہ تلے اکٹھی ہو گئی۔

سال 567 ہجری کے واقعہ کے متعلق، امام سیوطی تاریخ الخلفاء "**خلفاء کی تاریخ**" میں کہتے ہیں: قال العماد الكاتب: استفتح السلطان صلاح الدين بن أيوب سنة سبع بجامع مصر على الطاعة والسمع، وهو إقامة الخطبة الأولى منها بمصر لبني العباس، وعفت البدعة، وصفت الشرعة، وأقيمت الخطبة العباسية في الجمعة الثانية بالقاهرة إلى أن يقول: وسيَّر السلطان نور الدين بهذه البشارة شهاب الدين بن المطهّر إلى بغداد، وأمرني بإنشاء بشارة عامة تقرأ في سائر بلاد الإسلام، فأنشأت بشارة أولها: الحمد لله معلي الحق ومعلنه، وموهي الباطل وموهنه، ومنها: ولم يبق بتلك البلاد منبر إلا وقد أقيمت عليه الخطبة لمولانا الإمام المستضيء بأمر الله أمير المؤمنين –عماد، کاتب بیان کرتے ہیں کہ 567 ہجری میں صلاح الدین بن ایوب نے ماہِ محرم کے پہلے جمعہ کو مصر کی جامع مسجد میں لوگوں سے مکمل تابعداری کا مطالبہ کیا اور یہ بنی عباس کے لئے خطبہ کے قائم ہونے سے تھا۔ پس اس طرح بدعت کا خاتمہ ہوا اور شریعت پھیل گئی۔ قاہرہ میں دوسرے جمعہ کو عباسیوں کے لئے یہ خطبہ پڑھا گیا۔۔۔ پھر سلطان نورالدین نے شھاب الدین مطہر کو خوشخبری کے ساتھ بغداد بھجوایا اور مجھے حکم دیا کہ اسلام کی تمام ولایات میں پڑھنے کے لئے اس پر ایک عوامی اعلانیہ تیار کروں۔ چنانچہ میں نے پُر مسرت اعلان قلم کیا جس کا آغاز یوں تھا: تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لئے

ہیں جو حق کو بلند کرنے والا، اسے ظاہر کرنے والا، باطل کو ختم کرنے اور اسے ناکام کرنے والا ہے۔ اس میں یہ بھی شامل تھا: اور اب اُن ولایات میں کوئی بھی منبر ایسا نہیں رہ گیا جہاں ہمارے امام، امیر المؤمنین مستضی بأمر اللہ، کے لئے خطبہ نہ پڑھا جائے"۔ مستضی اس وقت کے عباسی خلیفہ تھے۔

اس خوشخبری کے جواب میں خلیفہ نے نور الدین اور صلاح الدین کے لئے تحائف اور اعزازی خلعت بھجوائی اور قاہرہ کے خطیبوں کے لئے عَلم اور نشان بھجوائے۔ انہوں نے عماد، کاتب کو بھی اعزازی خلعت اور سو دینار عطا کئے۔

569 ہجری میں قاہرہ میں، لوگوں کے ایک گروہ نے عاضد کے گھرانہ کو خلافت لوٹانا چاہی تو صلاح الدین نے انہیں قتل کر دیا اور دونوں محلوں کے درمیان سُولی پر چڑھا دیا۔ وہ ان کی اس حرکت کو جُرم عظیم سمجھتا تھا جس سے مسلم امت تقسیم ہو سکتی تھی۔

جب خلیفہ ناصر عباسی نے خلافت سنبھالی، انہوں نے صلاح الدین کو اعزازی خلعت بھجوائی اور ان کی تکریم میں عہدہ عطا کیا۔ صلاح الدین نے انہیں ایک خط لکھا جس میں بیان تھا: والخادم، ولله الحمد، خلع من كان ينازع الخلافة رداءها، وأساغ الغصة التي أذخر الله للإساغة في سيفه ماءها "آپ کا خادم، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ وہ جو خلافت میں رخنہ ڈالتے ہیں، اُس پانی میں ڈوب مریں جو اللہ نے اپنی تلوار سے جمع کر رکھا ہے۔۔۔"۔

اس طرح صلاح الدین نے خلافت کی وحدانیت کو اختیار کیا، یہ مانتے ہوئے کہ اگر ایک ہی وقت میں دو خلفاء کو بیعت دی جائے تو دوسرے والے کو قتل کر دینا چاہئے، کیونکہ بیعت صرف پہلے خلیفہ ہی کو دینا فرض ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ القدس کو، جس پر صلیبیوں نے 492 ہجری میں قبضہ کیا تھا، صلاح الدین نے اسے صلیبیوں سے 583 ہجری میں آزاد کرایا، جب اُنہوں نے مصر سے عبیدی (فاطمی) خلافت کا خاتمہ کر دیا اور 567 ہجری میں خلافت کی وحدت حاصل کر لی۔ پس، مسلمانوں کی طاقت صرف اُن کی خلافت میں ہی ہے۔ ہم اللہ سبحانہ

تعالیٰ سے خلافتِ راشدہ کی واپسی کی دعا کرتے ہیں تاکہ یہودی وجود کا اس کی جڑوں سے خاتمہ ہو سکے، القدس آزاد ہو سکے اور یہ ارضِ مقدس مکمل طور پر دارالاسلام میں واپس بدل جائے۔

فہرست

سوال وجواب: روس کا یوکرین پر حملہ، اس کے محرکات اور ممکنہ اثرات

(عربی سے ترجمہ)

سوال:

تمام واقعات کا بغور جائزہ لینے سے ایک بات جو واضح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ یوکرین کا موجودہ بحران روس اور یوکرین کے درمیان صرف ایک تنازعہ نہیں ہے، دراصل یہ روس اور مغرب کے درمیان کشمکش ہے۔ کچھ لوگ اس کا موازنہ نازی جرمنی کے چیکوسلواکیہ پر (1939 میں تھوڑا تھوڑا کر کے) قبضے کی پالیسی سے کرتے ہیں، جس کے بعد اس نے پولینڈ پر قبضہ کیا، یہاں تک کہ دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔۔۔ کیا 24 فروری 2022 کو یوکرائن کے خلاف روس کا حملہ اور آج تک اس کا تسلسل، عالمی جنگ کا باعث بن سکتا ہے؟ کیا امریکہ اور یورپ کی جانب سے فوجی مداخلت کے بغیر، صرف پابندیاں عائد کرنے کا ردعمل اس حملے کا مناسب جواب ہے؟ یا یہ روس کو یوکرائن کی دلدل میں پھانسنے کی سازش ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے پیچھے کیا مقاصد ہیں؟ بصد شکریہ

جواب:

حالات کو واضح کرنے کے لئے ہمیں مندرجہ ذیل معاملات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے:

پہلا: پچھلے چند دنوں کے واقعات نے کسی شک وشبہ سے بالاتر ہو کر ثابت کیا ہے کہ روسی صدر 'احساس برتری' کا شکار ہے اور اس کا خیال ہے کہ موجودہ بین الاقوامی حالات میں روس، امریکہ کے بعد دنیا کی دوسری بڑی طاقت کا درجہ بحال کر سکتا ہے۔ وہ مغرب کے روس کے ساتھ معاملات میں نامناسب رویہ پر اور بین الاقوامی معاملات میں اس کے

کردار کو محدود کرنے، اور نیٹو کی مشرقی جانب پھیلاؤ پر سخت تنقید کرتا ہے اور 1997 کے بعد نیٹو میں شمولیت اختیار کرنے والے ممالک یعنی پولینڈ، رومانیہ اور دیگر مشرقی یورپی ممالک، سے امریکی فوجی اڈوں کو ہٹانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل واقعات اُس کی خود ساختہ عظمت کی غلط فہمی کی طرف نشاندہی کرتے ہیں:

1۔ پیوٹن نے غیر سفارتی انداز میں فرانس، جرمنی اور ایران کے رہنماؤں کا استقبال کیا۔ اُن سے پہلے اس نے ترکی کے صدر کا بھی اسی انداز میں استقبال کیا۔ ان میں سے کچھ کو روسی فتوحات کی علامتوں سے بھرے بڑے کمروں میں اس کا انتظار کرنا پڑا۔ روسی سیکوریٹی نے فرانس کے صدر میکرون سے ہوائی اڈے پر پہنچنے پر کورونا وائرس ٹیسٹ کرانے کو کہا، ملاقات کے دوران پوٹن اس سے چھ میٹر کے فاصلے پر بیٹھا رہا۔ اگرچہ اُس نے قازقستان اور بیلاروس کے صدور کے ساتھ ایسا نہیں کیا، جنہوں نے اسی عرصے میں روس کا دورہ کیا۔ اُس نے جرمن چانسلر کو اشارہ کیا کہ جب وہ پریس کانفرنس ہال سے باہر نکلیں تو وہ اس کے پیچھے چلے۔

2. یوکرائن کے بارے میں پیوٹن کا واضح اور اعلانیہ نقطہ نظر یہ ہے کہ یوکرائن کوئی ریاست نہیں ہے اور روس نے اسے اپنی سرزمین ریاست بنانے کے لیے دی اور کئی دہائیوں کے دوران 150 ارب ڈالر کے ساتھ اس کی مدد کی۔ اس نے وہاں کے حکمرانوں کو "کیو [Kiev] کے اقتدار پر قابض" قرار دیا۔ یہ سب اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ یوریشیائی خطے (یورپ اور ایشیا کے سنگم) کو صرف روسی علاقہ ہونے کی حیثیت سے دیکھتا ہے اور اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ یوریشیائی خطہ اور روس کو بطور اس کا مرکز دیکھتے ہوئے، روس نے قازقستان میں 2022 کے آغاز میں ہونے والی بغاوت پر قابو پانے کے لیے 'اجتماعی سلامتی معاہدے' [CollectiveSecurityTreaty] کے ممالک کی افواج کو قازقستان بھیجی جانے والی روسی فوج میں شامل ہونے پر مجبور کیا۔

3. فرانس اور کچھ دوسرے ممالک کی طرف سے وسیع پیمانے پر تنقید کے باوجود جنہوں نے یورپ کی سلامتی کو پہلے یورپ کے ہاتھ میں رکھنے کا مطالبہ کیا تھا، پیوٹن نے یورپ میں روس کی سیکوریٹی کی ضمانت امریکہ سے مانگ کر تمام یورپی ممالک کو انتہائی ذلت سے دوچار کر دیا۔ ان یورپی ممالک کا دعوی تھا کہ یورپ کی جانب سے سلامتی کی ضمانت

کے حوالے سے، یورپی ممالک کے ساتھ رابطہ کیا جانا چاہیے تھا۔ پیوٹن نے ایسا اس لئے کیا کیونکہ وہ خود کو یورپی ممالک کے برابر نہیں بلکہ امریکہ کے برابر سمجھتا ہے۔ جب میکرون نے روس کے دورے کے دوران ثالثی کی پیشکش کی تو پیوٹن نے جواب دیا کہ فرانس نیٹو کا سربراہ نہیں ہے۔

دوسرا: کریملین نے ایک بیان میں اعلان کیا کہ روسی صدر پیوٹن نے اپنے فرانسیسی ہم منصب میکرون کو 28 فروری 2022 کو ٹیلی فون پر بات چیت میں جنگ روکنے کے لئے روس کی شرائط سے آگاہ کیا، جو یہ تھیں: "کریمیا پر روس کی خود مختاری کا اعتراف، یوکرائنی ریاست کا غیر مسلح ہونا اور نازی ازم کو ترک کرنا اور اس کی غیر جانبداری کی یقین دھانی" (فرانس پریس 2022/2/28)۔ اور ہم نے (حزب) 22 دسمبر 2021 کو دیے گئے ایک سوال کے جواب میں یہ کہا تھا کہ: "اس طرح موجودہ بحران سے پتہ چلتا ہے کہ روس کا پہلا مقصد یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر کریمیا کے روس کا حصہ ہونے پر سوال اٹھنا بند ہوں، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ امریکہ اور یورپ بین الاقوامی سطح پر اس بات کو تسلیم کر لیں۔ دوسرا مقصد مشرقی یوکرائن کو یوکرائن کے کنٹرول سے باہر کرنا اور روس کا حصہ بنانا ہے، اور تیسرا اور سب سے اہم مقصد یوکرائن کو نیٹو میں شمولیت سے روکنا ہے اور اسے اس بات کی ضمانت چاہیے"۔

روسی وزیر دفاع سرگئی شوئیگو نے اس پر زور دیتے ہوئے کہا: "ان کے ملک کی مسلح افواج یوکرائن میں خصوصی فوجی کارروائی اس وقت تک جاری رکھیں گی جب تک وہ اپنے اہداف حاصل نہیں کر لیتے۔ مغربی ممالک کو سابق سوویت یونین کے ان ممالک میں فوجی تنصیبات نہیں بنانی چاہیے جو نیٹو کے رکن نہیں ہیں۔ مغربی دنیا روس کے خلاف جنگ میں یوکرائنی عوام کو استعمال کر رہی ہے۔۔۔ اہم بات یہ ہے کہ روس کو مغربی ممالک کی جانب سے لاحق فوجی خطرے سے بچایا جائے۔" (انادولو 2022/3/1)۔ لہٰذا یہ بحران حال ہی میں پیدا ہونے والے سب سے بڑے عالمی بحرانوں میں سے ایک ہے اور یہ روس اور مغرب کے درمیان تلخ تنازعہ کا باعث بنے گا۔ اور اس لئے اس بات کا امکان نہیں ہے کہ اپنے اہداف کے حصول سے پہلے رک جائے گا، یا دوسری صورت میں اِس کا انجام روس کے لیے بھیانک ہو گا۔۔۔ اس بات کا بھی امکان نظر نہیں آتا کہ مغرب ان شرائط کو قبول کرے گا۔

اس لئے موجودہ حالات نے اس بحران کی شدت کو اس حد تک بڑھادیا کہ روس کو جوہری ہتھیاروں کے استعمال کی دھمکی دینا پڑی۔ روسی صدارتی ترجمان پیسکوف نے اعلان کیا کہ "صدر ولادیمیر پیوٹن نے روسی اسٹریٹجک ڈیٹرنس فورسز کو صاف اور واضح انداز میں جنگی بنیادوں پر الرٹ رہنے کا حکم دیا ہے۔" (ٹی اے ایس ایس 28/2/2022)۔ جس میں جارحانہ جوہری ہتھیاروں کی بجائے دفاعی جوہری ہتھیار شامل ہیں۔ اسٹریٹجک ڈیٹرنس فورسز کو اسٹریٹجک جارحانہ فورس اور اسٹریٹجک دفاعی فورس میں تقسیم کیا گیا ہے۔ روسی وزارت دفاع نے اعلان کیا کہ اس نے "اسٹریٹجک میزائل فورسز، شمالی اور بحرالکاہل کے بحری بیڑے اور اسٹریٹجک ائر فورس کو الرٹ کر دیا ہے۔" (روسی نووستی، 2022/2/28)۔ روس نے اپنے وزیر خارجہ سرگئی لاوروف کے الفاظ میں اپنے مطالبات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا: "نیٹو ممالک کی جانب سے قانونی طور پر حفاظتی گارنٹی کا حصول روس کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔" (ٹی اے ایس ایس 2022/3/1)۔ یہی وجہ ہے کہ روس کی جانب سے اس معاملے میں اپنے اہداف سے پیچھے ہٹنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جب تک کہ یوکرائنی سخت مزاحمت کا مظاہرہ نہ کریں، اور اپنی مزاحمت کو اسی طرح جاری رکھیں جیسا کہ پچھلی صدی میں افغان مجاہدین نے روس کے خلاف جدوجہد کی تھی۔

تیسرا: امریکی موقف: یہ واضح ہے کہ امریکہ نے روس کو دھوکہ دہی اور اشتعال انگیزی کے ساتھ یوکرائنی دلدل میں پھنسانے کی ہر ممکن کوشش کی:

1۔ امریکہ نے روس کی جانب سے سلامتی کی ضمانتوں کے مطالبات کا جواب نہیں دیا بلکہ اسے یوکرائن میں پھنسانے کا کام کیا، چنانچہ اس نے یوکرائن کی حکومت کو اس کے مشرقی دونباس کے علاقے میں حملے کرنے پر اکسایا۔ اس اشتعال انگیزی کو امریکی بیانات نے مزید ہوا دی، جیسا کہ 19 جنوری 2022 کو ایک پریس کانفرنس کے دوران بائیڈن نے کہا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ (پیوٹن) چال چلیں گے، انہیں کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ اگر روس حملہ کرتا ہے تو اس کا احتساب کیا جائے گا اور اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کرتا کیا ہے, اگر یہ، یوکرائن میں روس کی طرف سے ایک معمولی دراندازی ہے، تو یہ ایک الگ بات ہے اور اس کی قیمت ایک بڑے پیمانے پر حملے کے برعکس بھاری نہیں ہوگی۔" (سی این این 2022/1/20)۔ اس کے بعد یوکرائن کے ایک عہدیدار (جس کا نام امریکی نیٹ ورک نے نہیں بتایا)

نے سی این این کو بتایا کہ ، "بائیڈن نے روسی صدر پیوٹن کو یوکرائن میں داخل ہونے لیے ہری جھنڈی دکھادی ہے۔ کیوو(kiev)ان بیانات پر حیرت میں ہے!"۔

2. جب یوکرائن کے خلاف روسی فوجی آپریشن شروع ہوا تو امریکی صدر بائیڈن نے اعلان کیا کہ "اگر روس یوکرائن میں مداخلت کرتا ہے تو امریکہ جوابی مداخلت نہیں کرے گا لیکن اگر وہ نیٹو ممالک میں مداخلت کرتا ہے تو وہ مداخلت کرے گا۔"اور انہوں نے اعلان کیا کہ "تقریباً7000امریکی فوجی جرمنی بھیجے جائیں گے۔"امریکہ اس سے قبل جرمنی، پولینڈ اور رومانیہ میں تقریباً5,000امریکی فوجی تعینات کر چکا ہے۔اس نے روس کے خلاف پابندیوں کے پیکیج کا بھی اعلان کیا۔ بائیڈن نے کہا کہ "ہماری افواج یوکرائن میں لڑنے کے لیے یورپ نہیں گئیں بلکہ اپنے نیٹو اتحادیوں کا دفاع کرنے اور مشرقی اتحادیوں کی یقین دھانی کے لیے وہاں موجود ہیں"(الجزیرہ2022/2/24)۔اور بائیڈن نے سٹیٹ آف یونین کے خطاب میں اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا: "ان کے ملک کی افواج روس کے خلاف کسی جنگ میں ملوث نہیں ہوں گی، لیکن اس سے روسی افواج کو مغرب کی طرف دوسرے یورپی ممالک کی طرف بڑھنے سے روکا جاسکے گا۔ وہ نیٹو کے کسی بھی رکن ملک کے ہر انچ کا دفاع کریں گی۔"(الجزیرہ2022/3/2)

بائیڈن نے روسی طیاروں کے لیے نیٹو کی فضائی حدود بند کرنے کا اعلان کیا جبکہ یورپی ممالک اور کینیڈا پہلے ہی اپنی فضائی حدود بند کر چکے ہیں۔امریکی صدر کے ان بیانات نے روس کو آمادہ کیا اور اسے یوکرین پر حملے کرنے اور اسے جاری رکھنے کی ترغیب دی۔اس کے بعد نیٹو کے بیانات سامنے آئے اور نیٹو کے سیکرٹری جنرل جینز سٹولٹن برگ نے یکم مارچ 2022 کو پولینڈ کے دارالحکومت وارسا میں پولش صدر کے ساتھ پریس کانفرنس کے دوران کہا "نیٹو اس تنازعے کا فریق نہیں ہوگا۔ لیکن اس سے یوکرائن کو ہر قسم کی فوجی مدد ملے گی۔ نیٹو کا کوئی سپاہی اس میں حصہ نہیں لے گا۔ اتحاد دفاعی ہے اور روس سے تصادم کی راہ تلاش نہیں کرتا۔ ہم یوکرائن کی زیادہ سے زیادہ مدد کرنے کی کوشش کریں گے اور نیٹو اتحادیوں نے روس پر بھاری پابندیاں عائد کی ہے۔"(انادولو 2022/3/1)۔ نیٹو کا یہ بیان بھی امریکی عزائم کی ہی ترجمانی کرتا ہے۔

3. چونکہ امریکہ روس کے ساتھ اشتعال انگیزی سے کام لے رہا تھا۔ لہٰذا روس اپنے وزیر خارجہ لاوروف کی 2022/2/24 کو جنیوا میں امریکی وزیر خارجہ بلنکن سے ملاقات کا شدت سے انتظار کر رہا تھا، لیکن بلنکن نے یہ دورہ منسوخ کر دیا،" امریکی وزیر خارجہ انتھونی بلنکن نے گزشتہ روز اعلان کیا کہ انہوں نے، ان کے اور ان کے روسی ہم منصب سرگئی لاوروف کے درمیان طے شدہ ملاقات، ماسکو کی جانب سے مشرقی یوکرائن کے دو علیحدگی پسند علاقوں کو تسلیم کرنے اور ان میں فوج بھیجنے کے بعد، منسوخ کر دی ہے۔" بلنکن نے واشنگٹن میں اپنے یوکرائنی ہم منصب ڈمیٹرو کلیبا کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس کے دوران کہا" اب جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ حملہ شروع ہو رہا ہے اور روس نے سفارت کاری کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تو اس وقت اس ملاقات کو آگے بڑھانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔" (البیان 20/2/23)۔

اس ملاقات کے انعقاد سے پہلے ہی، مذاکرات کی اس ناکامی نے روس کو مشتعل کر دیا۔ اس کے بعد یوکرائن پر روسی حملے سے متعلق یکے بعد دیگرے امریکی انتباہات اور اشتعال انگیزیاں شروع ہوئیں، جبکہ دوسری طرف روس اعلان کر رہا تھا کہ وہ یوکرائن پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ واشنگٹن کی طرف سے ہونے والی ہر حرکت نے روس کو اس طرح مشتعل کیا جیسے وہ اسے یوکرائن پر حملہ کرنے پر اکسا رہا ہو۔ امریکہ نے روس کو کئی بار یہ اعلان کر کے حملہ کرنے پر اکسایا کہ امریکہ یوکرائن میں داخل نہیں ہو گا، کیونکہ یہ مؤخر الذکر نیٹو کا رکن نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ یوکرائن کو نئے ہتھیاروں کی ترسیل میں اضافہ کرتا رہا جو ہر روز امریکی طیاروں کے ذریعے منتقل کیے جاتے رہے جن میں امریکی سٹنگر میزائل اور اینٹی آرمر مواد شامل تھا۔

4. امریکہ نے روسی حملے کے بارے میں اپنے اعلانات میں مسلسل اضافہ کیا اور کہا کہ یہ دعویٰ وہ انٹیلی جنس معلومات کی بنیاد پر کر رہا ہے، جس کے نتیجے میں بین الاقوامی سطح پر خطرے کے احساس میں اضافہ ہوا۔ امریکی صدر بائیڈن، ان کے سیکریٹری خارجہ، سیکریٹری دفاع اور ان کے ترجمان اور یہاں تک کہ امریکی پریس کی جانب سے جاری کردہ حملے کی وارننگ کی بنیاد پر متوقع روسی حملے کے انتظار میں شدت آ رہی تھی۔ امریکہ نے تب یوکرائن میں جنگ کے خطرات میں مزید اضافہ کر دیا جب اس نے یوکرائن اور علیحدگی پسندوں کے درمیان متنازعہ ڈونباس خطے میں 'رابطہ

لائن مشاہدہ مشن' میں اپنے اہلکاروں کو واپس بلانے کا فیصلہ کیا۔اور یہ امریکی ملازمین یورپی سلامتی مشن کا بھی حصہ تھے۔روس نے ان کے انخلا سے خطرہ محسوس کیا۔روسی وزارت خارجہ کے ترجمان زخارووا نے کہا: "کچھ ممالک نے یوکرائن میں اپنے شہریوں، ملازمین اور تنظیم کے ملازمین کو 'سیکورٹی خدشات' کی بنیاد پر واپس بلانے کا فیصلہ کیا ہے۔" زخارووا نے مزید کہا کہ "ان فیصلوں سے ماسکو کی شدید تشویش میں اضافہ ہوا ہے۔اور سلامتی مشن کو زبردستی امریکہ کے جنگی خبط میں گھسیٹا جارہا ہے اور اس کا استعمال جان بوجھ کر ممکنہ اشتعال انگیزی کے لیے کیا جارہا ہے۔" (صدا البلاد، 2022/2/13)۔ روس نے دیکھا ہوگا کہ امریکہ ڈونباس میں انتہائی حساس تنازعہ کو بھڑکانا چاہتا ہے۔وہ تنازعہ جو 2015 سے منجمد ہے۔

5.ایک طرف امریکہ کی روس کے لئے اشتعال انگیزیوں میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف امریکہ نے اعلان کیا کہ اس نے روس سے قدرتی گیس کے متبادل کے طور پر براعظم یورپ کی گیس کا مسئلہ تقریباً حل کر لیا ہے، جس کو جنگ کی صورت میں روس کی طرف سے منقطع ہونے کی توقع تھی یا اس کی یوکرائنی سپلائی پائپ لائنیں جنگ سے متاثر ہوسکتی تھیں، جس کا دوسرا مطلب تھا کہ روس کو یورپی منڈی سے محروم کرنا اور امریکی اور قطری گیس کو یورپ اور ایشیا کے درآمد کنندگان، خصوصاً جاپان کے لیے متبادل کے طور پر پیش کرنا، جس نے روس کے ساتھ گیس کے فیوچر کنٹریکٹ کر رکھے ہیں۔اور یہ سب ہلکی سردی اور آنے والی بہار کے موسم میں کیا گیا، جب قدرتی گیس کی ضرورت کم تھی۔۔۔اسی طرح روس کے مشرقِ بعید میں بھی بہت خطرناک واقعات رونما ہوئے۔روسی فوج نے اعلان کیا کہ ایک امریکی جوہری آبدوز جزائر کوریل میں روسی سمندری حدود میں داخل ہوئی اور وہ روسی انتباہات کو خاطر میں نہیں لائی۔ اور یہ کہ روسی بحری جہازوں نے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کرنے کے لیے سخت طریقے استعمال کیے۔اس آبدوز کو روسی سمندری حدود سے باہر دھکیلنے کے عمل میں 3 گھنٹے لگے۔ جزائر کوریل جاپانی جزائر ہیں جن پر دوسری جنگ عظیم کے دوران روس نے قبضہ کیا تھا اور جاپان اب بھی ان پر دعویٰ رکھتا ہے لیکن روس نے اب تک اس کے ان دعووں پر کوئی دھیان نہیں دیا جس کی وجہ سے ٹوکیو نے 1945 سے اب تک روس کے ساتھ جنگ بندی معاہدے پر دستخط نہیں کیے ہیں۔دوسرے لفظوں میں، جاپان سرکاری طور پر 1945 سے اب تک روس کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہے۔اس

واقعے کے نتیجے میں امریکی عزائم سے روس کا خوف بڑھ گیا۔ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا امریکہ جاپان کو جزائر کوریل پر قبضہ کرنے کی طرف دھکیلے گا؟

6. معاملات اسی طرح اشتعال انگیزی میں اضافے کی سمت جاری رہیں گے۔جب تک روس یوکرائنی دلدل میں بری طرح پھنس نہیں جاتا،اُس وقت تک اس میں قدم بہ قدم اضافہ ہوگا۔اُس وقت تک امریکی اشتعال انگیزی، برطانوی اور یورپی اشتعال انگیزیوں کے ساتھ جاری رہے گی مثلاً جرمنی ایک طرف نورڈ اسٹریم منصوبے کو بند کر رہا ہے اور دوسری جانب امریکہ،روس کو یوکرائن میں جنگ جاری رکھنے کی وجہ فراہم کر رہا ہے۔امریکہ روس کے لیے بلاواسطہ خطرہ نہیں بننا چاہتا بلکہ وہ صرف پابندیاں عائد کرنے کا ارادہ ظاہر کر رہا ہے۔اس کے سیکریٹری خارجہ بلنکن روسی فوجی تیاریوں کو یوکرائن پر "کامیاب" حملے کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔دوسری طرف یوکرائن نے نیٹو میں شمولیت کے مطالبات میں اضافہ کر دیا ہے اور اسی طرح یوکرائن نے مغرب سے مزید اسلحہ کی فراہمی کے مطالبات میں بھی اضافہ کیا ہے جس سے روس کو لاحق خطرات میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور اس کے اس دلدل میں پھنسنے میں تیزی آتی ہے۔یہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ یوکرائن پر حملہ،جنگ اور اس کیچڑ میں مکمل دھنسنا،روس کے لیے واحد راستہ نہیں رہ جاتا۔امریکہ یہی چاہتا ہے جس کے لیے وہ یوکرائن کو روس کے سامنے چارہ کے طور پر رکھ رہا ہے۔ایسا مشکل نظر آتا ہے کہ روس اپنے احمقانہ منصوبے کے تانے بانے بنتے ہوئے اس جال میں پھنسنے سے بچ جائے گا۔

چوتھا: یورپی موقف: یورپی یونین کے اعلیٰ نمائندے جوزیف بوریل نے 22 فروری 2022 کو کہا کہ "یہ یورپ کے لئے سیاہ دن ہے، جس دن روس نے ڈونیٹسک اور لوہنسک کے علاقوں کو آزاد علاقہ تسلیم کیا۔" برطانوی وزیر اعظم جانسن نے چند روز قبل کہا تھا کہ "اب روس کے ساتھ ایک نیا اسٹریٹجک مقابلہ شروع ہو گیا ہے جو نسلوں تک پھیل سکتا ہے۔ان سب باتوں سے تمام امکانات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جوہری خطرات کو خارج از امکان نہیں کہا جا سکتا۔"

اس کے باوجود یورپ نے صورتحال کو پرسکون کرنے اور روس کے ساتھ معاہدے پر پہنچنے کی کوشش کی ہے اور فرانس اور جرمنی کے رہنماؤں نے اس سے بات چیت کی کوشش کی۔ چنانچہ فرانسیسی صدر میکرون نے ماسکو کا دورہ کیا اور انہوں نے یوکرائن میں روسی فوجی کارروائی کے بعد پوٹن سے کئی بار فون پر بات کی۔ ایلیسی پیلس نے اعلان کیا کہ میکرون نے "بات چیت میں دہرایا کہ عالمی برادری نے یوکرائن پر روسی حملے کو روکنے کا مطالبہ کیا ہے اور اس بات کا اعادہ کیا کہ فوری جنگ بندی لازم ہے، شہریوں اور ان کی رہائش گاہوں پر تمام حملوں کو روک دیا جائے گا، تمام شہری بنیادی ڈھانچے محفوظ رکھے جائیں اور سڑکوں کو محفوظ بنایا جائے، خاص طور پر کیوو کے جنوبی روڈ کو۔" (فرانس پریس 2022/2/28)۔ جرمن چانسلر اولاف شولز نے بھی ماسکو کا دورہ کیا اور پوٹن سے تبادلہ خیال کیا اور کہا کہ "ہم جرمنز بلکہ تمام یورپیوں کے لیے اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ روس کے خلاف مستحکم سلامتی حاصل نہیں کی جاسکتی سوائے اس کے کہ وہ ساتھ ہو۔۔۔ یہی وہ بات ہے جس پر روسی صدر اور ہمارا اتفاق ہوا ہے، تاہم یورپ میں موجودہ بحران کے حل کے مواقع اب بھی موجود ہیں۔" (رشیا ٹوڈے، 2022/2/15)۔

اس سب کے باوجود یورپ پہلے ہی یوکرائن کے بحران میں پھنس چکا تھا جیسا کہ امریکہ چاہتا تھا۔ یورپ کو یوکرائن کی مکمل حمایت اور مدد کا اعلان کرنے پر مجبور کر دیا گیا، یہ مدد اس نے فوجی ساز و سامان اور جدید ہتھیاروں اور روس پر مختلف شعبوں میں پابندیاں عائد کر کے کی، جو بغیر ایک بھی فوجی بھیجے ہمہ وقت جنگ شروع کرنے کے مترادف ہے۔ جرمن چانسلر اولاف شولز نے 26 فروری 2022 کو اپنے ٹویٹر اکاؤنٹ پر کہا کہ "یوکرائن کے خلاف روسی جارحیت ایک اہم موڑ ہے، اس سے دوسری جنگ عظیم کے بعد قائم ہونے والی پرامن صورتحال کو خطرہ لاحق ہے۔۔۔ اس صورت حال میں ہمیں اپنی طرف سے یوکرائن کی زیادہ سے زیادہ مدد کرنی ہوگی تاکہ وہ حملہ آور پیوٹن کی بے ہودگی کے خلاف دفاع کر سکے۔ جرمنی نے ایک ہزار راکٹ لانچر اور 500 سٹنگر زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ "شولز نے جرمن پارلیمنٹ سے کہا کہ "یوکرائن پر حملے کے ساتھ ہم ایک نئے دور میں داخل ہو گئے ہیں۔۔ جرمنی اب سے ہر سال اپنے دفاعی شعبے میں اپنی جی ڈی پی کے 2 فیصد سے زیادہ سرمایہ کاری کرے گا۔ ہم اس سال فوجی ساز و سامان میں 100 ارب یورو کی سرمایہ کاری کریں گے۔ اس کا مقصد مضبوط اور جدید فوج کا ہونا ہے، جو قابل اعتماد

طور پر ہماری حفاظت کرنے کے قابل ہو۔"(فرانس پریس 2022/2/27)۔ روسی فوجی کارروائی کے بعد انہوں نے نورڈاسٹریم 2 گیس پائپ لائن پر کام معطل کرنے کا اعلان کیا جو روس سے بحیرہ بالٹک کے راستے جرمنی تک پھیلی ہوئی ہے۔ یورپی یونین کے خارجہ تعلقات اور سلامتی کے افسر جوزیف بوریل نے 27 فروری 2022 کو کہا کہ "یونین نے یوکرائن کو فوجی امداد فراہم کرنے کا فیصلہ کیا، جس میں 450 ملین یورو مالیت کے ہتھیار اور 50 ملین یورو مالیت کے حفاظتی آلات شامل ہیں۔ جس کے لیے رقم 'یورپی امن کے فنڈ' اور بین الحکومتی فنڈ سے ادا کی جائے گی۔" (انادولو 2022/2/28)۔ برسلز میں یورپی یونین کے ہنگامی اجلاس میں یورپی کونسل کے صدر چارلس مشیل نے کہا کہ "پابندیوں کا اثر ہم پر بھی پڑے گا لیکن یہ ہماری آزادی کے دفاع کی واجب الادا قیمت ہے۔" یورپی یونین کے وزیر خارجہ جوزیف بوریل نے کہا: "ہم اپنے سامنے یورپ کے لئے ایک نئے جیوپولیٹیکل حالات کو رونما ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ آج یورپ کو جس تباہی کا سامنا ہے وہ اُسے پہلے سے کہیں زیادہ متحد ہونے اور تعاون کرنے پر مجبور کرتی ہے۔" یورپی کمیشن کے صدر ارسولا وون ڈیر لیئن نے کہا کہ "یوکرائن کی جنگ سے یورپ کی بقا خطرے میں ہے۔" (الجزیرہ 2022/3/1)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ اس جنگ میں ملوث ہو چکا ہے جس نے دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد سے موجود امن کی حالت کو یکسر بدل دیا اور اسے مستقل روسی خطرے کے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور گیس اور تیل جیسے توانائی کے وسائل کے نقصان کی وجہ سے اسے ایک بڑے معاشی چیلنج کا سامنا ہے۔ یورپی یونین کو تقریباً 40 فیصد گیس اور 27 فیصد تیل روس سے ملتا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ یورپ اس کی طرف رجوع کرے اور اس کی زیادہ قیمت اور کم معیار والی گیس پر انحصار کرے۔ نورڈاسٹریم 2 پائپ لائن نے یورپ کی بیرونی طلب کا ایک تہائی فراہم کرنا تھا وہ بھی اُس لاگت پر جو تقریباً 25 فیصد کم تھی۔ پیوٹن نے اپنی آخری ملاقات میں جرمن چانسلر شولز کے ساتھ پریس کانفرنس میں، جرمنوں پر اپنے احسانات کا اظہار ان الفاظ میں کیا: "جرمن صارف چاہے وہ صنعتی ہو یا گھریلو، روس سے (موجودہ قیمت سے) پانچ گنا سستی قیمت پر گیس وصول کرتا ہے، لہٰذا جرمن شہری کو اپنے بٹوے میں جھانکنا چاہیے کہ کیا وہ 3 سے 5 گنا زیادہ قیمت پر گیس خریدنے کے لئے تیار ہے؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں سابق جرمن چانسلر شروڈر کا شکریہ ادا

کرنا چاہئے جنہوں نے نورڈاسٹریم 1 منصوبے کی حمایت کی تھی، جس کے ذریعے جرمنی کو تقریباً 55 ارب کیوبک میٹر گیس ملتی ہے اور یہ گیس فیوچر کنٹریکٹ پر فراہم کی جاتی ہے۔" (روس ٹوڈے، 2022/2/15)۔ پیوٹن نے کہا کہ جرمنی کے پاس روسی مارکیٹ کا 60 فیصد حصہ ہے۔ پیوٹن نے یہ کام صرف یورپ کو روس کے ساتھ تعاون کرنے اور امریکی جانب سے اس کے خلاف کھڑے نہ ہونے اور اسے یقین دلانے کے لئے کیا کہ روس وسائل کا پیاسا نہیں ہے۔ اس طرح روس خود کو یورپ کی طرف سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

پانچواں: چینی موقف: چین اس معاملے پر روس کے قریب ہے۔ چین نے یہ اعلان کر کے روس کی حمایت کی ہے کہ مغربی ممالک کو روس کے سلامتی کے مطالبات کو سنجیدگی سے لینا چاہئے۔ یوکرائن کے بارے میں روس کی پالیسی کے لئے بین الاقوامی حمایت کو متحرک کرنے کے لیے روسی صدر پیوٹن نے بیجنگ (سرمائی کھیلوں) کا دورہ کیا اور چینی صدر سے 2 فروری 2022 کو ملاقات کی۔ اور چین نے روسی صدر پیوٹن کے ساتھ اپنے صدر کے دستخط شدہ مشترکہ بیان میں اعلان کیا کہ وہ یوکرائن کے نیٹو میں شمولیت کی مخالفت کرتا ہے۔ دونوں ممالک (روس اور چین) نے امریکی بالادستی کے سامنے اپنے متحدہ موقف کا اعلان کیا اور بین الاقوامی کثیر قطبیت (internationalmultipolarity) کا مطالبہ کیا، اور کہا کہ بین الاقوامی تعلقات میں ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا ہے۔ انہوں نے چین کے لئے روس کی گیس اور تیل میں سرمایہ کاری کے بڑے معاہدوں پر دستخط کیے۔ اور دونوں ممالک کے درمیان تجارت بڑھانے اور اسے 200 ارب ڈالر سالانہ تک پہنچانے کے ازم کا اعادہ کیا۔ تاہم ایسا لگتا ہے کہ چین کی اس معاملے پر کڑی نظر ہے کہ یوکرائن میں روس کی صورتحال کس کروٹ بیٹھتی ہے اور کیا وہ تائیوان کے ساتھ الحاق کے لیے بھی ایسا ہی قدم اٹھا سکتا ہے۔ چین میں ابھی سے آوازیں اٹھنے لگیں ہیں کہ "یہ تائیوان کو واپس لینے کا یہ بہترین موقع ہے۔"

چین نے روس کے خلاف پابندیوں کو مسترد کر دیا ہے تاکہ اگر وہ طاقت کے ذریعے تائیوان پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے اسی طرح کے سلوک کا سامنا نہ کرنا پڑے لیکن اس نے روسی طاقت کے استعمال کی مذمت میں قرارداد کے مسودے کو ویٹو کرنے سے گریز کیا۔ اس نے روس کے خلاف مغربی مہم سے بچنے کے لئے ووٹ نہ دینے کا

انتخاب کیا۔ جب اس نے روس کی مذمت کی قرارداد کے مسودے کو ویٹو نہیں کیا تو ایسا دکھائی دیا کہ وہ روس کی حمایت نہیں کر رہا۔

غور طلب بات ہے کہ اس نے یعنی چین نے یوکرائن پر حملہ کرنے پر روس کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا بلکہ امریکہ کو مورد الزام ٹھہرایا، ساتھ ہی وہ استحکام اور علاقائی سالمیت کے اصولوں کو بھی سراہتا ہے۔ اپنے یوکرائنی ہم منصب کے ساتھ بات چیت میں چینی وزیر خارجہ وانگ یی نے کہا، "موجودہ بحران کے بارے میں چین، دونوں فریقوں، یوکرائن اور روس، سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مذاکرات کے ذریعے اسے حل کرنے کے لیے راستہ تلاش کریں اور سیاسی تصفیے کے لیے تمام تعمیری بین الاقوامی کوششوں کی حمایت کریں۔" (ٹی اے ایس ایس 2022/3/1)۔ چینی وزیر خارجہ نے پابندیوں کے خلاف اپنے ملک کی مخالفت کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ چین نہ صرف مسائل کے حل کے لیے پابندیوں کی حمایت نہیں کرتا بلکہ ان یکطرفہ پابندیوں کی سخت مخالفت کرتا ہے جو بین الاقوامی قوانین سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ (ٹی اے ایس ایس 2022/2/27)۔

چھٹا: نتیجہ:

1- امریکہ نے روس کو یوکرائن پر مکمل یا تقریباً مکمل حملے میں ملوث کرنے میں "کامیابی" حاصل کی ہے۔ اس سے روس کو مقامی تناؤ اور سیاسی، معاشی خلفشار کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ برسوں تک فوجی طور پر نقصان اٹھا سکتا ہے۔ چاہے وہ مشرقی یوکرائن پر قبضہ کرنے پر قناعت کرے یا اس سے آگے یوکرائن میں بڑے علاقے پر قبضہ کرے یا تمام یوکرائن پر۔۔۔ اور یہ بات بھی خارج از امکان نہیں ہے کہ اس سے پیوٹن کا اقتدار میں تسلسل متاثر ہو۔

2- اسی طرح روس کی بین الاقوامی صورتحال بھی اس ہنگامہ آرائی سے متاثر ہو گی، اگرچہ اسے گرنے کی حد تک نا بھی پہنچایا جا سکا، تب بھی امریکی اور یورپی دباؤ کے تحت بین الاقوامی مہم میں توسیع ہوئی ہے تاکہ اس بات کو اجاگر کیا جا سکے کہ روس خود مختار ممالک پر حملے کر رہا ہے جبکہ امریکہ اور یورپ خود یہ بھول گئے ہیں یا اسے بھلانا

چاہتے ہیں کہ انہوں نے خود ماضی قریب میں ایشیا اور افریقہ کے بہت سے خود مختار ممالک پر حملے کیے ہیں۔ یہ تمام ممالک، روس، امریکہ اور یورپ سب کی بنیاد ایک ہی ہے، ان میں سے کوئی بھی انسانی زندگی کی قدر نہیں کرتا۔

3- جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ یہ حملے تیسری جنگ عظیم کا باعث بنیں گے، جیسا کہ دوسری جنگ عظیم سے قبل 1939 میں نازی جرمنی کے چیکوسلواکیہ پر حملے اور اس پر آہستہ آہستہ قبضہ کے بعد ہوا، جیسا کہ سوال میں کہا گیا ہے، یہاں معاملہ کچھ مختلف ہے۔۔۔ موجودہ تنازعہ کا وقوع ایک جوہری جنگ سے لازم وملزوم ہے کیونکہ یہ ہتھیار ان ممالک (روس، امریکہ، برطانیہ، فرانس) میں موجود ہیں اور وہ اس پر عمل درآمد سے پہلے ہزار بار اس کے بارے میں سوچ سکتے ہیں، اس لئے نہیں کہ یہ دوسروں کو تباہ و برباد کر سکتا ہے، اس بات کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں، بلکہ اس لئے کہ یہ ان پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے، لہٰذا ان کا معیار منفعت ہے چاہے اس سے دوسروں کو نقصان پہنچے۔ الجزیرہ نے 2 مارچ 2022 کو روسی وزیر خارجہ لاوروف کا ایک انٹرویو شائع کیا اور تیسری جنگ عظیم کے خطرے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں لاوروف نے کہا کہ "پانچ مستقل اراکین کے رہنماؤں نے ایک اعلان پر دستخط کیے کہ جنگ عظیم نہیں پھوٹنی چاہئے، کیونکہ یہ جوہری ہوگی اور اس میں کوئی بھی فاتح نہیں ہوگا، اور اس بات کی نشاندہی بھی کی کہ یہ امریکی صدر جو بائیڈن ہی تھے جنہوں نے کہا تھا کہ روس کے خلاف پابندیاں تیسری جنگ عظیم کا واحد متبادل ہیں۔" لاوروف کے ملک کو جوہری پلانٹ پر بمباری کرنے پر کوئی اعتراض نہیں، جب تک کہ اس کے نتیجے میں ہونے والا نقصان ان کے ملک سے بہت دور اور دوسروں کے قریب ہو۔ الجزیرہ نے اسی دن خبر نشر کی کہ سب سے نمایاں واقعہ جس کا مشاہدہ جوہری پلانٹ، جو Zaporizhzhia کے شہر کے قریب ہے، کیا جا سکتا ہے اور جہاں یوکرائن کی حکومت نے روس پر حملے کا الزام لگایا تھا کہ روسی بمباری کے نتیجے میں پلانٹ میں آگ بھڑک اٹھی تھی جس پر بعد میں قابو پا لیا گیا، اس حملے کے نتیجے میں وہاں کے ملازمین کی ہلاکتیں بھی ہوئیں۔ جبکہ روسی وزارت دفاع نے یوکرائنی افواج پر اس کا ذمہ دار ہونے کا الزام لگایا۔ (الجزیرہ 2022/3/4)

4- یہ سب آج دنیا کے بڑے ممالک ہیں، جنگل کے درندوں کی مانند، جہاں طاقتور کمزوروں کو کھاتا ہے، اور اگر کمزور مدد کے لئے پکارے تو کوئی مدد نہیں کرتا۔۔۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے اور آج بڑی طاقتوں کی آپس

کی کشمکش ماضی کی فارسیوں اور رومیوں کے درمیان تنازعہ کو دہراتی ہے۔اس معاملے کا جواب وہی ہے جو تب تھا یعنی اللہ کے نازل کردہ کے ساتھ حکمرانی اور اللہ کی راہ میں جہاد۔اسی سے کمزوروں کی حفاظت ہوتی ہے اور مظلوموں کو انصاف ملتا ہے اور پھر خلافت، جو رسول اللہ ﷺ کی خوشخبری ہے، لوٹ آئے گی: **«ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»"پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت واپس آئے گی۔"**

اور خلافت میں طاقتور اس وقت تک کمزور ہوگا جب تک اس سے حق لے نہ لیا جائے جیسا کہ خلیفہ الراشد ابو بکر الصدیقؓ نے کہا ہے, کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال میں عبداللہ بن عقیم کی روایت میں ہے کہ آپؓ نے فرمایا: جب ابو بکر کو بیعت کا عہد دیا گیا تو وہ ممبرِ رسول پر چڑھے لیکن نبیؐ کی نشست سے ایک قدم نچلے درجہ پر بیٹھ گئے۔ آپؓ نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف کی اور فرمایا:... وان اقوامكم عندى الضعيف حتى اخذ له بحقه، وان اضعفكم عندى القوى حتى آخذ الحق منه"۔۔۔تم میں سے سب سے زیادہ طاقتور میرے آگے سب سے زیادہ کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں اور تم میں سے سب سے کمزور میرے آگے سب سے مضبوط ہے جب تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دے دوں۔"

یہی وہ وجہ ہے جس سے دارالسلام میں خیر پھیلتی ہے۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

"اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے آاللہ کی مدد سے، اللہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے، اور وہ غالب رحم والا ہے۔"(الروم:4-)

1 شعبان 1443ھ

4 مارچ 2022 عیسوی

فہرست

سوال وجواب اس حدیث "ہر دور کے بعد آنے والا دور بد تر ہو گا" اور خلافت کی واپسی والی حدیث میں ٹکراؤ کا شبہہ

(عربی سے ترجمہ)

سائل: ریاحی ابو فاطمہ

سوال:

ہمارے بھائی، حزب التحریر کے امیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

کیا یہ حدیث صحیح ہے اور اگر صحیح ہے تو برائے مہربانی اس کی تشریح کیجئے، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

زبیر بن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر الحجاج کے طرز عمل کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا:

اصبروا فإنه لا يأتي زمان إلا والذي بعده شر منه حتى تلقوا ربكم، سمعته من نبيكم ﷺ "صبر کرو یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو کیونکہ تم پر جو بھی دور آتا ہے اس کے بعد آنے والا دور اس سے بھی برا ہو گا، یہ میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے" (بخاری)۔

جواب:

جواب کو واضح کرنے کے لیے میں ابتدا میں اصول کی دو باتیں یاد دلاؤں گا:

1۔اگر دلائل میں ٹکراؤ کا شبہہ ہو تو دلائل کے درمیان تطبیق کی کوشش کی جائے گی کیونکہ دونوں دلائل پر عمل کرنا ان میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنے سے بہتر ہے۔

2۔اگر دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ترجیح کے قواعد کے مطابق دلائل کے درمیان ترجیح کی کوشش کی جائے گی۔

اب ہم سوال کا جواب دیں گے:

بخاری نے زبیر بن عدی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم انس بن مالک کے پاس آئے اور ہم نے الحجاج کی طرف سے کیے جانے والے سلوک پر شکایت کی تو انہوں نے فرمایا:

اصبروا فإنه لا يأتي زمان إلا والذي بعده شر منه حتى تلقوا ربكم، سمعته من نبيكم ﷺ "صبر کرو یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو کیونکہ تم پر جو بھی دور آتا ہے اس کے بعد آنے والا دور اس سے بھی برا ہوگا، یہ میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا ہے"۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر آنے والا زمانہ اپنے سے پہلے والے زمانے سے بدتر ہوگا۔

اس حدیث کا دوسری احادیث کے ساتھ ٹکراؤ کا شبہہ ہے:

ا۔اس میں خلافت کی واپسی والی حدیث کے ساتھ ٹکراؤ کا شبہہ ہے کیونکہ خلافت کا دور اپنے سے پہلے والے جابرانہ دور سے بہتر ہوگا:

احمد نے اپنی مسند میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«...ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ» ثُمَّ سَكَتَ) "۔۔۔پھر جابرانہ حکومت ہوگی اور

اس وقت تک ہو گی جب تک اللہ چاہے گا پھر جب اللہ چاہے گا اس کو اٹھالے گا پھر نبوت کے منہج پر خلافت ہو گی، پھر آپ خاموش ہو گئے"۔

ب۔اسی طرح اہل بیت میں سے مہدی کے ظہور کی حدیث کے ساتھ ٹکراؤ کا شبہہ، جس کے مطابق مہدی کا ظہور ظلم کے بعد ایک بار پھر زمین کو عدل سے بھر دے گا:

طبرانی نے المعجم الکبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي، يَمْلأُ الأَرْضَ عَدْلاً وَقِسْطاً كَمَا مُلِئَتْ ظُلْماً وَجَوْراً

"قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک میرے اہل بیت میں سے ایک آدمی جس کا نام میرے نام جیسا ہو گا، زمین کے ظلم و ستم سے بھر جانے کے بعد اس کو دوبارہ عدل وانصاف سے بھر نہ دے"۔

ج۔اسی طرح اپنے سے پہلے آنے والے دجال کے شر کے بعد عیسی علیہ السلام کے نزول والی حدیث کے ساتھ ٹکراؤ کا شبہہ:

طبرانی نے الکبیر میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ يَلْبَثُ فِي الأَرْضِ مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ يَجِيءُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ مِنَ الْمَشْرِقِ، مُصَدِّقاً بِمُحَمَّدٍ ﷺ وَعَلَى مِلَّتِهِ، ثُمَّ يَقْتُلُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ

"مسیح دجال زمین پر اتنا ہی رہے گا جتنا اللہ چاہے گا، پھر مشرق سے عیسی ابن مریم علیہ السلام محمد ﷺ کی تصدیق کرتے ہوئے آپ کی ملت میں سے آئیں گے اور مسیح دجال کو قتل کریں گے"۔

چنانچہ ہر دور کے اپنے سے پہلے دور سے بدتر ہونے کے بارے میں حدیث کا ان احادیث کے ساتھ ٹکراؤ کا شبہہ ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دور اپنے سے پہلے والے دور سے بدتر نہیں بلکہ بہتر ہوگا۔۔۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا کہ دونوں دلائل کو یکجا کرنا ممکن ہو تو وہی بہتر ہے ورنہ (ایک دلیل کی دوسری پر) ترجیح کا فیصلہ کیا جائے گا۔۔۔ان احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یکجا کرنا (تطبیق) ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ بخاری کی حدیث (ہر آنے والا دور گزشتہ دور سے بدتر ہوگا) عام نہیں ہے بلکہ مذکورہ سابقہ حالات کے علاوہ خاص ہے یعنی نبوت کے طرز پر دوسری خلافت راشدہ کی واپسی سے قبل۔۔۔ گویا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے موافق ہے جس کو بخاری نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَتُهُمْ أَيْمَانَهُمْ وَأَيْمَانُهُمْ شَهَادَتَهُمْ»

"بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر ان کے بعد والے، پھر ان کے بعد والے، پھر ان کے بعد ایک قوم آئے گی جن کی شہادت ان کی قسم سے سبقت لے گی اور ان کی قسم ان کی شہادت سے"۔

اس کو مسلم نے ان الفاظ میں بھی روایت کیا ہے:

«خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ - فَلَا أَدْرِي فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ قَالَ - ثُمَّ يَتَخَلَّفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ»

"بہترین لوگ میرے زمانے پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے، مجھے معلوم نہیں تین دفعہ کہا یا چار دفعہ، پھر فرمایا پھر ان کے بعد ان کی جگہ ایسے لوگ آئیں گے جن میں سے ایک کی شہادت اس کی قسم سے اور اس کی قسم اس کی شہادت سے سبقت لے جائے گی"۔

اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ابی بردہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ»

"میرے صحابہ میری امت کے امین ہیں، جب میرے صحابہ جائیں گے تو میری امت کے ساتھ وہ ہوگا جس کا وعدہ ان سے کیا گیا ہے"۔

یوں جو زمانہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کے جتنا قریب تھا اس کا خیر اتنا ہی زیادہ تھا اور شر اس وقت زیادہ سے زیادہ قریب ہوگا جب تک خلافت راشدہ دوبارہ قائم نہ ہو جائے، جس کے بعد اس شر کے بدلے خیر ہوگا جو اس سے قبل جابرانہ حکومت کے دور میں تھا۔

بہر حال ہر دور سے مقصود اس میں موجود اکثریت ہے نہ کہ اکثریت کے برخلاف افراد کا ظہور، مثال کے طور پر خلیفہ عمر بن عبد العزیز اپنے عدل میں بنو امیہ کے دیگر خلفاء سے ممتاز تھے اور اسی طرح عباسی اور عثمانی دور کے بعض خلفاء سے بھی، یہاں تک کہ 1924ء۔1342ھ میں خلافت کا خاتمہ ہو گیا جس کے بعد جابرانہ دورِ حکومت کا عظیم شر آیا، جس کے بعد نبوت کی طرز پر دوبارہ خلافت کا ظہور ہوگا اور اس کا خیر چمک اٹھے گا۔

﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ *بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾

"اور اس دن مومنین اللہ کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہی غالب اور رحمت والا ہے"(الروم:5-4)۔

اس مسئلے میں میں نے یہی ترجیح کی ہے اور اللہ ہی زیادہ علم اور حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابوالرشتہ

13ربیع الآخر1443ھ

18نومبر2021ء

فہرست

سوال وجواب: جسے مکمل کرنا ممکن نہ ہو اس کے آسان حصے کو ترک نہیں کیا جاسکتا

(عربی سے ترجمہ)

سائل: ابو عمر

سوال:

ہمارے فاضل امیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اللہ آپ کی حفاظت اور مدد کرے اور آپ کے ہاتھوں فتح نصیب کرے۔

کیا یہ شرعی قاعدہ درست ہے، اور کیا شرعی احکامات کے تدریجی نفاذ میں اس سے استدلال جائز ہے؟

ما لا يدرك كله لا يترك ما تيسر منه "جسے مکمل کرنا ممکن نہ ہو اس کے آسان حصے کو ترک نہیں کیا جائے گا"، جزاکم اللہ خیرا

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سب سے پہلے ہمارے لیے اچھی دعا پر آپ کا شکریہ اور ہم بھی آپ کے لیے دعا گو ہیں۔

آپ نے دو امور کے بارے میں سوال کیا ہے: پہلا معاملہ: اس شرعی قاعدے کی صحت کی کیا حقیقت ہے (ما لا يدرك كله لا يترك ما تيسر منه "جسے مکمل کرنا ممکن نہ ہو اس کے آسان حصے کو ترک نہیں کیا جائے گا")، دوسرا معاملہ: کیا شرعی احکامات کے تدریجی نفاذ میں اس سے استدلال جائز ہے؟۔ اس کا جواب یہ ہے:

اول: جہاں تک اس قاعدے (ما لا يدرك كله لا يترك ما تيسر منه "جسے مکمل کرنا ممکن نہ ہو اس کے آسان حصے کو ترک نہیں کیا جائے گا") کی صحت کے حوالے سے آپ کے سوال کا تعلق ہے:

1۔ یہ مقولہ علماء کی کتابوں میں جگہ جگہ، مختلف مگر ملتی جلتی شکلوں میں آیا ہے: (مالايدرک كله لايترک كله، "جسے پورا کرنا ممکن نہ ہو، اسے پورا ترک نہیں کیا جائے گا")، (مالا يدرک كله لايترک جله، "جسے پورا کرنا ممکن نہ ہو، اس کے زیادہ تر حصے کو ترک نہیں کیا جائے گا")، (مالا يدرک كله لا يترک قله، "جسے پورا کرنا ممکن نہ ہو، اس کے کچھ حصے کو ترک نہیں کیا جائے گا")، (مالايدرک كله لايترک اقله، "جسے پورا کرنا ممکن نہ ہو، اس سے کم کو ترک نہیں کیا جائے گا")، (مالايدرک كله لايترک بعضه، "جسے پورا کرنا ممکن نہ ہو، اس کے کچھ حصے کو ترک نہیں کیا جائے گا") بشمول اس صیغے کے جو آپ کے سوال میں آیا ہے، (مالايدرک كله لايترک ماتيسر منه، "جسے مکمل کرنا ممکن نہ ہو اس کے آسان حصے کو ترک نہیں کیا جائے گا")۔ کچھ اس کو کہاوت یا مقولہ کہتے ہیں جبکہ دوسرے اس کو شرعی قاعدہ کہتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کی زبانوں سے تو یہ اس طرح جاری ہوتا رہا گویا یہ نبی ﷺ کی حدیث ہے جس نے شام میں اپنے زمانے کے محدث اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی الجراحی العجلونی الدمشقی ابو الفداء متوفی 1162ھ کو اپنی کتاب، كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على السنة الناس (غائب کا ظہور اور زبان زدِ عام احادیث پر شکوک کا تدارک) میں اس کا ذکر کرنے پر مجبور کیا، وہ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ: یہ قاعدہ، مالا يدرک كله لايترک كله ایک قاعدہ ہی ہے اور حدیث نہیں، اور یہ اس آیت کے معنی میں موجود ہے ﴿**فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**﴾ **"اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے"** (التغابن: 16)، اور اس حدیث کے معنی میں بھی موجود ہے: «**اتَّقِ اللهَ مَا اسْتَطَعْتَ**» **"اللہ سے ڈر جتنا تم سے ہو سکے"**، ترجمے کے الفاظ ایک قاعدہ ہے، حدیث نہیں۔ اسی طرح احمد بن عبد الکریم العامری متوفی 1143ھ اپنی کتاب، الجد الحثيث فی بيان ما ليس بحديث (اس کی تشریح کی مکمل محنت، جو حدیث نہیں) میں اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا: مالايدرک كله لايترک كله، "جسے پورا کرنا

ممکن نہ ہو، اسے پورا ترک نہیں کیا جائے گا"، ایک قاعدہ ہے، حدیث نہیں اور یہ اس آیت ﴿**فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**﴾ **"اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے"** (التغابن:16)، کے معنی میں موجود ہے۔

2۔اس معاملے پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس قول (مالایدرک کله لایترک کله، "جسے پورا کرنا ممکن نہ ہو، اسے پورا ترک نہیں کیا جائے گا") کی بنیاد وہ شرعی قاعدہ ہے جس کا مفہوم یوں ہے: المیسور لا یسط بالمعسور "کسی معاملے کا آسان حصہ اس کے مشکل حصے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا"، یعنی یہ اس شرعی قاعدے، المیسور لایسقط بالمعسور "مشکل حصے کی وجہ سے آسان حصہ ساقط نہیں ہوتا"، کا ہی مختلف الفاظ میں بیان ہے، اور یہ قاعدہ شرعی قواعد کی کتابوں میں بمع دلائل مذکور ہے، مثال کے طور پر سیوطی الاشباہ والنظائر میں کہتے ہیں: (اڑتیسواں قاعدہ: المیسور لایسقط بالمعسور "مشکل حصے کی وجہ سے آسان حصہ ساقط نہیں ہوتا"۔ ابن السبکی کہتے ہیں: اور یہ ان مشہور قواعد میں سے ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے مستنبط کیے گئے ہیں، «**إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ**» **"جب میں تمہیں کس امر کا حکم دوں تو اس پر حسب استطاعت عمل کرو"**۔ ذرکشی نے اس کو اپنی کتاب (المنثور فی القواعد) میں ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ: (المیسور لایسقط بالمعسور "مشکل حصے کی وجہ سے آسان حصہ ساقط نہیں ہوتا"، یہ بعض معاملات میں قدرت کے قاعدے کو واضح کرتا ہے)۔ علاوہ ازیں، انھوں نے اس موضوع، الْبَعْضُ الْمَقْدُورُ عَلَيْهِ هَلْ يَجِبُ "کیا استطاعت کی حدود میں آنے والا معاملہ واجب ہے؟" کے بیان میں اس قاعدے کی تفصیل اور حدود کی بھی وضاحت کی۔

3۔ علماء نے اس قاعدے، المیسور لایسقط بالمعسور "مشکل حصے کی وجہ سے آسان حصہ ساقط نہیں ہوتا"، یا اس جیسے دیگر قواعد جیسے مالایدرک کله لایترک کله، "جسے پورا کرنا ممکن نہ ہو، اسے پورا ترک نہیں کیا جائے گا"، یا اس موضوع الْبَعْضُ الْمَقْدُورُ عَلَيْهِ هَلْ يَجِبُ "کیا استطاعت کی حدود میں آنے والا معاملہ واجب ہے؟" کو استدلال سے اخذ کیا ہے۔ اس کے لیے اللہ سبحانہ وتعالی کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے ﴿**فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**﴾ **"جتنا تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو"** (التغابن:16) اور نبی ﷺ کی اس

حدیث سے **«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»** **"جب میں تمہیں کسی امر کا حکم دو تو جتنا تم سے ہو سکے اس کو ادا کرو"**،اس حدیث کو بخاری نے اپنے صحیح میں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ان قواعد کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے تفصیلی مثالیں دی گئی ہیں، چنانچہ الاشباہ والنظائر میں بہت ساری فروعات بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض کا ہم یہاں ذکر کریں گے:

(المیسور لایسقط بالمعسور "مشکل حصے کی وجہ سے آسان حصہ ساقط نہیں ہوتا"...اور اس کی بہت ساری فروعات بھی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے: اگر کوئی عضو کٹ گیا ہو تو باقی حصے کو لازمی دھویا جائے گا۔اس میں سے: وہ جو ستر کے کچھ حصوں کو ڈھانپ سکتا ہے، اسے وہ حصے لازمی ڈھانپنے ہیں جنھیں وہ یقیناً ڈھانپ سکتا ہے۔اسی طرح: سورۃ فاتحہ کے کچھ حصے کی تلاوت کی قابلیت رکھنے والا لازماً اس کی تلاوت کرے گا،اس میں کوئی اختلاف نہیں۔۔۔اور اسی طرح: اگر کوئی رکوع اور سجود کرنے سے عاجز ہو مگر قیام کر سکتا ہو تو ہمارے نزدیک، بغیر کسی اختلاف کے،اس پر قیام کرنا لازم ہے۔۔۔اور اسی طرح: اگر کسی کے پاس فطرانہ دینے کیلئے صاع کا کچھ حصہ ہی کیوں نہ موجود ہو،اسے دینا اس پر لازم ہے اور یہی درست رائے ہے...)۔

4۔ علماء نے اس قاعدے(المیسور لایسقط بالمعسور "مشکل حصے کی وجہ سے آسان حصہ ساقط نہیں ہوتا") وغیرہ کی جو مثالیں دیں ہیں ان کو پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ قاعدے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ کوئی متعین حکم جس کی ادائیگی کا شریعت نے حکم دیا ہے، اگر مکلف اسے پورا ادا کرنے کی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اس کے کچھ حصے کو ادا نہ کر سکے، یعنی مشکل ہونے کی وجہ سے، تو اس وجہ سے پورا عمل ادا کرنے کی تکلیف اس سے ساقط نہیں ہو گی بلکہ وہ اس فعل میں سے جتنا ادا کر سکتا ہے، اس کو ادا کرے گا کیونکہ کتاب وسنت کے نصوص کے مطابق اسے اپنی استطاعت کے مطابق فعل کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے---جیسا کہ اس آیت میں ﴿**فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**﴾ **"جتنا تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو"**(التغابن:16)،اور اس حدیث میں درج ہے **«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»** **"جب میں تمہیں کسی امر کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کو ادا کرو"**۔

مثال کے طور پر نماز پڑھنے والے پر ہر رکعت میں پوری سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے اور نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے مگر اس کو سورہ فاتحہ پوری یاد نہیں تو کیا اس پر نماز میں سورہ فاتحہ کی ان آیات کا پڑھنا فرض ہے جو اس کو یاد ہیں یا وہ سورہ فاتحہ کو یہ کہہ کر مکمل ترک کر دے گا کہ اس کو سورت پوری یاد نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قاعدے کی رو سے اس پر فرض ہے کہ وہ سورہ فاتحہ کا جتنا حصہ پڑھ سکتا ہے، وہ پڑھے گا۔ اس کیلئے سورہ فاتحہ کو ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ آسان عمل (فاتحہ کی وہ آیات جو اسے یاد ہیں ان کو تلاوت کرنا) کی ادائیگی مشکل عمل (فاتحہ کی وہ آیات جو اسے یاد نہیں ان کو تلاوت کرنا) کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا۔۔۔

اسی طرح وضو میں مکلف پر یہ فرض ہے کہ اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، لیکن اگر اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو تو کیا اس پر باقی پورے بازو کو دھونا فرض ہے یا پورے بازو کو ہی چھوڑ دے کیونکہ وہ بازو کا آدھا حصہ جو کٹا ہوا ہے، اسے دھو نہیں سکتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قاعدے کی رو سے وہ آسان عمل (بازو کا وہ حصہ جو حصہ سلامت ہے، اسے دھونا) کو مشکل عمل (بازو کا وہ حصہ جو کٹا ہوا ہے، اسے دھونا) کی وجہ سے نہیں چھوڑے گا بلکہ لازماً دھوئے گا۔۔۔ یوں اس قاعدے کا موضوع علماء کے نزدیک وہ حکم شرعی ہے جس کو ادا کرنے کا کہا گیا ہے۔ اگر مکلف مشکل ہونے کی وجہ سے اس کو پورا ادا نہ کر سکے تو جتنے حصے کی ادائیگی ممکن ہے، اس کی ادائیگی ساقط نہیں ہوگی بلکہ مطلوبہ عمل کے جتنے حصے کی ادائیگی ممکن ہے اس کو لازماً ادا کیا جائے گا۔۔۔

5۔ یہ قاعدہ (المیسور لایسقط بالمعسور "مشکل حصے کی وجہ سے آسان حصہ ساقط نہیں ہوتا") اور اس جیسے دیگر قواعد کا اطلاق ہر جگہ نہیں ہوتا، اس کا اطلاق بعض جگہ درست ہے اور بعض جگہ درست نہیں۔ مثال کے طور پر جو رمضان میں دن کے کچھ حصے میں روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو اس پر دن کے باقی حصے میں روزہ اس قاعدے (المیسور لایسقط بالمعسور "مشکل حصے کی وجہ سے آسان حصہ ساقط نہیں ہوتا") کی وجہ سے لازم نہیں، بلکہ وہ روزہ کھول دے گا اور اس دن کے روزے کا قضا رکھے گا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ ہر جگہ لاگو نہیں ہوتا بلکہ بعض جگہ اس کا اطلاق درست ہے اور بعض جگہ درست نہیں، اس کو لاگو کرنے کے لیے حقیقت کی

چھان بین میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے جہاں اس کو لاگو کرنا مقصود ہو اسی طرح اس سے متعلقہ شرعی احکامات کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ علماء نے اس سے خبردار کیا کہ یہ قواعد ہر جگہ لاگو نہیں ہوتے:

ا۔ سیوطی نے الاشباہ والنظائر میں یہ ذکر کیا ہے: (تنبیہ: اس قاعدے سے چند مسائل نکلتے ہیں: جن میں سے: کفارے میں غلام کو آزاد کرنے کی رقم کا کچھ حصہ ادا کرنے کی قدرت رکھنے والا کچھ حصے کو آزاد نہیں کرے گا بلکہ بلا اختلاف کسی دوسرے متبادل کی طرف منتقل ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام کے کچھ حصے کی آزادی کے ساتھ دو مہینے کا مسلسل روزہ رکھنے کو ملانا، بدل اور اصل حکم کے درمیان جمع کرنا ہے اور ایک مہینہ مسلسل روزہ رکھنے کے ساتھ آدھے غلام کو آزاد کرنے (کی رقم) کا کفارہ جمع کرنا ممنوع ہے، چونکہ شارع نے کہا ہے، ﴿**فَمَنْ لَمْ يَجِدْ**﴾ **"جو یہ نہ کر سکے"** (النسا: 92)۔ اس لیے جو آدھے غلام کو آزاد کر سکتا ہے وہ اسی طرح ہے جو غلام آزاد نہیں کر سکتا۔۔۔ اس میں سے: جو دن کے کچھ حصے میں روزہ رکھنے پر قادر ہے اور کچھ حصے پر نہیں تو کچھ حصے میں روزہ رکھنا اس پر لازم نہیں۔)

ب۔ اسی طرح زرکشی نے المنثور میں قواعد کے بحث میں اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ: (وہ معاملات جن کی جزوی ادائیگی ہی ممکن ہو، عمل کی ادائیگی واجب ہونے کے حوالے سے ان کی چار قسمیں ہیں:

(پہلا): جو قطعی طور پر واجب ہے جیسے نماز پڑھنے والا اگر سورہ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھنے کی قدرت رکھتا ہو تو وہ اس کو جتنا پڑھ سکتا ہے اتنا پڑھنا اس پر قطعاً واجب ہے۔

(دوسرا): جو صحت مند پر واجب ہے۔۔۔ اگر جسم پر زخم ہوں جس کی وجہ سے سب پر پانی ڈالنا مشکل ہو تو جو حصہ ٹھیک ہے اس کو دھویا جائے گا اور جو زخمی ہے اس پر مسح کیا جائے گا۔

(تیسرا): جو قطعی طور پر واجب نہیں جیسے کفارے میں آدھا غلام آزاد کرنے کی قدرت ہو تو غلام آزاد کرنا قطعاً واجب نہیں کیونکہ شریعت کا قصد (ارادہ) حتی الامکان پورے غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو بدل کی طرف منتقل ہوگا۔۔۔

(چوتھا): جو صحت مند پر واجب نہیں، جیسے وضو کرنے کیلئے جس کے پاس پانی نہ ہو لیکن اس کو اولے یا برف مل جائے مگر برف کو پگھلانا مشکل ہو تو ہمارے مذھب کے مطابق اس برف سے سر کو مسح کرنا لازم نہیں؛ کیونکہ ترتیب واجب ہے اور یہاں چہرے اور ہاتھوں پر تیمم سے پہلے سر پر اس کو مسح کرنا ممکن نہیں۔)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ اور جن قواعد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مطلقاً درست نہیں اور نہ ہی مطلقاً غلط ہیں، بلکہ یہ بعض صورتوں میں درست ہیں اور بعض صورتوں میں درست نہیں۔

دوسرا: جہاں تک قاعدہ (مالایدرک کله لایترک ماتیسر منه، "جسے مکمل کرنا ممکن نہ ہو اس کے آسان حصے کو ترک نہیں کیا جائے گا") یا (المیسور لایسقط بالمعسور "مشکل حصے کی وجہ سے آسان حصہ ساقط نہیں ہوتا") سے شرعی احکامات کے تدریجی نفاذ میں استدلال کرنے کی بات ہے:

شرعی احکامات کے نفاذ میں تدریج کے لیے ان قواعد سے استدلال لوگوں کو دھوکہ دینے اور اللہ کے دین میں من گھڑت باتیں شامل کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ شرعی احکامات کے نفاذ میں تدریج کے لیے ان قواعد سے استدلال کئی وجوہات کی بنا پر درست نہیں:

1۔ شرعی احکامات کے نفاذ میں تدریج کا مطلب یہ ہے کہ شرعی احکامات کے کچھ حصے کو بعض امور میں نافذ کیا جائے جبکہ دیگر امور میں کفریہ احکامات ہی نافذ ہوں گے، جیسا کہ نکاح کے معاہدوں کو اسلام کے احکامات کے مطابق انجام دیا جائے مگر سود، زنا اور شراب خوری کی اجازت بھی دی جائے، چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے مگر زنا اور شراب خوری کی سزا کو نافذ نہ کیا جائے۔۔۔اسلامی احکامات کے نفاذ میں تدریج کا حقیقی معنی کچھ متعین مسائل میں شرعی احکامات کی بجائے کفریہ احکامات کو نافذ کرنا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا اس قاعدے (مالایدرک کله لایترک ماتیسر منه، "جو پورا ممکن نہ ہو اس میں سے جتنا ممکن ہو اس کو ترک نہیں کیا جائے گا") سے دور دور تک کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ قاعدہ کہتا ہے کہ کوئی شرعی حکم جس کے کچھ حصے پر عمل کرنا آسان ہو اور کچھ حصے پر عمل کرنے کی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے مشکل ہو تو جس حصے پر عمل ممکن ہو اس پر لازماً عمل کیا جائے گا۔ یہ قاعدہ یہ نہیں کہتا کہ شرعی حکم کی ادائیگی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں حرام عمل کرنا یا کفر نافذ کرنا جائز ہے۔

2۔ یہ قواعد ان اعمال کی بات کرتے ہیں جو اوامر ہیں (یعنی جن اعمال کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے)، نواہی (یعنی جن اعمال سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے) کی بات نہیں کرتے، اوامر افعال شریعت کا نفاذ ہے اور شریعت کے علاوہ کچھ نافذ کرنا بلاشک وشبہ حرام ہے بلکہ یہ عظیم ترین گناہ ہے، پھر کفریہ احکامات کے نفاذ کے لیے اس قاعدے سے استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ تعجب کی بات نہیں؟!

3۔ جو لوگ شرعی احکامات کے نفاذ میں تدرج کی بات کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد حکمران کی جانب سے شریعت کے نفاذ میں تدریج ہے حالانکہ حکمران کو کوئی چیز شریعت کے نفاذ سے نہیں روکتی، اس لیے اس کے معاملے میں قدرت نہ ہونے کا موضوع ہی نہیں کیونکہ وہ حکمران ہے۔ مثال کے طور پر کیا چیز ایک مسلمان حکمران کو زندگی کے زیادہ تر میدانوں میں کفریہ احکامات نافذ کرنے کی بجائے شرعی احکامات کو مکمل نافذ کرنے سے روکتی ہے؟ کیا وہ ملک کا حقیقی حکمران نہیں؟ پھر وہ شرعی احکامات کو کیوں نافذ نہیں کرتا بلکہ کفریہ احکامات کو اس پر ترجیح دیتا ہے؟ کیا حکمران کی حالت اس شخص کی طرح ہے جو مرض کی وجہ سے نماز میں کھڑا نہیں ہو سکتا جس کی وجہ سے قیام کا فرض اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور وہ بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہے؟ ان دونوں کے درمیان کیا مماثلت ہے؟!

4۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان قواعد کے لیے جن شرعی نصوص سے استدلال کیا گیا، وہ تدریج پر کوئی دلالت نہیں کرتے:

ا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ **"اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے"** (التغابن:16)، اس کا مفہوم المخالفہ بھی نہیں لیا جاسکتا یعنی آیت سے یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ استطاعت نہ ہو تو تقویٰ کو اختیار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس کے برعکس یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ تقویٰ کے حصول اور اللہ کے اوامر اور نواہی کی پابندی کے لیے حتی المقدور کوشش کرنا فرض ہے۔ امام طبری نے اپنی تفسیر میں اس معنی کو نمایاں کیا ہے اور کہا ہے کہ: (اس آیت ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ **"اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے"** (التغابن:16) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے مومنو، اللہ سے ڈرو اور اس کے عذاب کا خوف کرو، اس کے فرائض کی ادائیگی اور اس کی نافرمانی

سے اجتناب کر کے اس کے عذاب سے بچو، اور حتی الاستطاعت اپنی طاقت اور کوشش سے اس کا قرب حاصل کرنے والے اعمال کرو)۔

اور ابن عاشور نے اپنی تفسیر (التحریر والتنویر) میں اس آیت تشریح میں فرماتے ہیں:

[...﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ "اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے سنو اور اطاعت کرو اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو اپنے آپ کو نفس کے لالچ سے بچائے وہی لوگ کامیاب ہیں" (التغابن:16)

عربی کا حرف (**ف**) فصاحت کے لیے اور آگے آنے والے کی وضاحت کیلئے ہے، یعنی اگر تم یہ سمجھ گئے ہو تو ان معاملات میں اللہ سے ڈرو جن میں ڈرنا واجب ہے۔۔۔اور (**اتَّقُوا**) کے بعد والے الفاظ حذف ہوئے تاکہ مذکورہ اور دیگر تمام معاملات پر، عمومی طور پر تقویٰ کا اطلاق ہو، یہ کلام ضمیمہ کی طرح ہے کیونکہ اس کا مواد اپنے سے پہلے والے سے زیادہ عام ہے۔ چونکہ تقویٰ کا مطالبہ مذکورہ و دیگر معاملات میں نفسانی خواہشات کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی کے راستے میں آڑے آسکتا ہے۔

تقویٰ کی تاکید کرتے ہوئے مزید کہا گیا: جتنا تم سے ہو سکے۔ اس میں عربی کا حرف (**مَا**) مصدریہ ظرفیہ ہے یعنی جتنی زیادہ مدت تم سے ہو سکے تاکہ ہر زمانہ اور ہر حالت اس میں شامل ہو اور ہر طرح کی استطاعت اس میں شامل ہو، بالفاظِ دیگر، زمانے کی عمومیت کے ساتھ استطاعت کی عمومیت ہے، یعنی کوئی بھی زمانہ تقوی سے خالی نہ ہو۔ مزید یہ کہ زمانوں کو استطاعت کے لیے ظرف بنایا گیا تاکہ کسی ایسی چیز میں تفریط کا مظاہرہ نہ کریں جس کے بارے میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ استطاعت کے حد سے نکل کر مشقت کی حد تک پہنچ نہ جائے۔۔۔] ختم شد۔

یوں یہ آیت کریمہ مکمل وضاحت سے تقویٰ کے حصول کے لیے بھرپور جدوجہد کو اور مسلمان کو حسب استطاعت اللہ سبحانہ وتعالی کے اوامر اور نواہی کی پابندی کرنے کو لازمی قرار دیتی ہے، جہاں تک ایک مسلمان کی استطاعت ہو، اور یہ کسی بھی لحاظ سے تدریج کی طرف اشارہ نہیں کرتی، یعنی شرعی احکامات کے ساتھ ساتھ کفریہ

احکامات کے نفاذ کو بھی جاری رکھنے کے جواز پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ شرعی احکامات کی حد درجہ پابندی کا مطالبہ کرتی ہے۔

ب۔ وہ حدیث شریف جس سے مذکورہ قواعد کے لیے استدلال کیا گیا ہے جس کو بخاری نے اپنے صحیح میں ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **«دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»** **"جو میں نے چھوڑ دیا ہے اس کے لیے مجھے چھوڑ دو، تم سے پہلے لوگ اپنے سوالوں اور انبیاء کے بارے میں اپنے اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو اور جب تمہیں کسی امر کا حکم دوں تو اس کو حسب استطاعت ادا کرو"**، حدیث منع کیے گئے معاملات کی بات کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ان سے اجتناب کرو، حرام کاموں سے قطعی طور پر دور رہنا ہے، اور جن کا حکم دیا گیا، ان کو حسب استطاعت ادا کرنا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اسلامی احکامات کے ساتھ کچھ کفریہ احکامات کو تدریج کے نام پر نافذ کرنا ان امور میں سے ہے جن سے شریعت نے قطعی دلائل سے منع کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ "اور جو اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے حکومت نہیں کرتے وہی لوگ کافر ہیں" (المائدہ:45)

﴿ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ "اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے حکومت نہیں کرتے وہی لوگ ظالم ہیں" (المائدہ:46)

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ "اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ کے ذریعے حکومت نہیں کرتے وہی لوگ فاسق ہیں" (المائدہ:48)

اور اللہ تعالی فرماتا ہے: **﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُبِيناً﴾ "کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لیے یہ نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کریں تو ان**

کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ کھلم کھلا گمراہ ہو گیا"

(الاحزاب:36)

اس لیے یہ حدیث کسی بھی لحاظ سے شرعی احکامات کے نفاذ میں تدریج کا بہانہ بنا کر شریعت کے مطابق فیصلے کرنے میں کوتاہی اور کفریہ احکامات کو نافذ کرنے کے جواز پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اللہ کے نازل کردہ کے علاوہ کسی چیز کے ذریعے حکمرانی کرنا ان محرمات میں سے ہے جن سے حدیث میں لازمی طور پر اجتناب کرنے کا کہا گیا ہے۔ یوں اس قاعدے سے شرعی احکامات کے نفاذ میں تدرج کے لیے استدلال کرنا باطل استدلال ہے جس سے بالکل بھی حجت قائم نہیں ہوتی۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

5 ربیع الآخر 1443ھ

بمطابق 10 نومبر 2021ء

فہرست

Aksa'nın İşgalcisi Terörist
HERZOG DEFOL!
KÖKLÜ DEĞİŞİM
حزب التحرير
HİZB-UT TAHRİR
Türkiye
حزب التحریر/ولایہ ترکی: قابض یہودی وجود کے صدر کے دورہ ترکی کے خلاف
احتجاجی مظاہرے #خلافت_کو_قائم_کرو
Aksa'nın İşgalcisi Terörist
HERZOG
DEFOL!
#Time4Khilafah

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن وسنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»**" پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)